کتاب وسنت اور اسلافِ اُمت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد حیدرآباد

Volume:15 Issue:3 March 2022

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

حجاب ہی میں حفظ وامان ہے

از: مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (سورۃ الاحزاب:59)

ترجمہ: اے نبی! تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکا لیا کریں، اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی، تو اُن کو ستایا نہیں جائے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

توضیح: خالق کائنات نے مرد کی بہ نسبت عورت کو زیادہ باحیاء بنایا ہے، اس نے حکیمانہ ہدایات سے اُس کی حیا و عفت کو ہر طرح سے تحفظ بخشا ہے، اُسے اپنی فطری حیا کی حفاظت وصیانت کے لئے باپردہ رہنے کا حکم دیا اور اُسے اس کا مذہبی فریضہ قرار دیا، اس کے فضائل وفوائد بیان فرمائے، عمل نہ کرنے کی صورت میں اس کے دنیوی مضرات واُخروی وعیدات بھی بتائے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حجاب کا بیان قرآن کریم کی سات آیتوں میں آیا ہے، تین سورۂ نور کی اور چار سورۂ احزاب کی ہیں، علاوہ ازیں ستر سے زائد احادیث میں قولاً وعملاً پردہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

چناں چہ سب سے پہلی ہدایت یہ دی کہ عورتیں اپنے گھر میں رہیں، اپنی زیب وزینت ظاہر کرتی ہوئی باہر نہ گھومیں۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا)۔ معلوم ہوا کہ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے، اور گھریلو اُمور کی ذمہ داری ہی اس پر عائد ہے، چناں چہ وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ اُن اُمور کی انجام دہی میں اپنی تمام تر توجہ لگائے، اس مقصد کی تکمیل میں خلل انداز ہونے والے کاموں سے گریز

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

کرے۔یعنی بےضرورت گھر سے باہر نہ جائے،اوراپنی زیب وزینت کوغیرمحرم مردوں کے سامنے بالکل ظاہر نہ کرے کہ یہ جاہلیتِ اولیٰ (یعنی اسلام سے پہلے کی جہالت) ہی کا حصہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جگر پارے کی کیسی تربیت فرمائی دیکھئے!ایک دفعہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا:عورتوں کے لیے کیا چیز بہتر ہے؟توانہوں نے جواب دیا کہ ”خَیرٌ لَّھن اَنْ لَّا یَرَیْنَ الرِّجَالَ وَلَا یَرَوْھُنَّ“ (عورتوں کے لئے بہتر ہے کہ نہ تو وہ (غیر) مردوں کو دیکھیں اور نہ ہی (غیر) مرد اُن کو دیکھیں۔ سبحان اللہ! آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ سنا تو فرمایا:”وہ تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے“۔

ابن خزیمہؒ کی روایت ہے کہ”اقرب ما تکون من وجہ ربھا وھی فی قعر بیتھا“(عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ گھر کے اندرون میں ہوتی ہے)۔دوسری طرف جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:”جب عورت گھر سے نکلتی ہےتو شیطان اس کوتاک لیتاہے“۔(یعنی اس کو مسلمانوں میں بُرائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے)۔

مرد وعورت کو پیدا کرنے والا جانتا ہے کہ دونوں میں ایک دوسرے کی طرف مقناطیسی کشش رکھی ہے،اور یہی فطری میلان اللہ کے عظیم منصوبے افزائش وبقائے نسل انسانی کا وسیلہ ہے جو نکاح کے مقدس رشتے سے تکمیل پاتا ہے،اور شیطان ونفس اس مقدس رشتے کو قائم ہونے نہیں دینا چاہتے یا قائم ہونے کے بعد توڑ دینا چاہتے ہیں عورت چوں کہ صنفِ نازک بھی ہے،لطیف قلب بھی رکھتی ہے،حساس طبیعت کی حامل بھی ہے،دلی جذبات پر اکثر عقل کی لگام کَس نہیں پاتی اس لئے حجاب کے مسئلے میں اُسے خاص خاص ہدایات دی گئی ہیں،۱ء گھروں میں ایسے چھپی رہیں کہ کسی غیر مرد کو پتہ نہ چلے کہ یہاں عورت رہتی ہے،۲ء کبھی نامحرم رشتہ دار گھر چلے آئیں تو بھی ان کے سامنے نہ نکلیں،اُن سے بےتکلفی اختیار نہ کریں،۳ء گھر پر تنہا ہوں تو کسی نامحرم کو آنے نہ دیں،۴ء سب سے زیادہ دیور جیٹھ کے نامحرم رشتوں سے واسطہ پڑتا ہے،اُن کا سامنا ہو تو سمجھ لو کہ موت سامنے کھڑی ہے ”الحمو الموت“،۵ء کبھی اجنبیوں سے بات کرنا پڑے تو نرم لہجے میں بات نہ کریں”فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ“ کہ کہیں کسی من چلے کا دل تمہاری طرف مائل نہ ہو،اور پھر تم کسی فتنے میں مبتلا نہ ہوجاؤ۔عورتوں کے لئے ان سب ہدایات کے ساتھ ساتھ دوسری طرف مردوں کو بھی پابند کیا کہ راستہ چلو تو اس کا حق ادا کرو یعنی نگاہیں نیچی رکھو،مبادا کسی اجنبیہ پر نظر پڑ جائے،اور ایک موقع پر عورتوں کے ساتھ بےتکلفی سے بچنے کا تاکیدی حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم کو کوئی چیز عورتوں سے لینی ہو تو پسِ پردہ لو،وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعاً فَاسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اسی میں تمہارے اور ان کے قلوب کی نفسانی وساوس سے پاکی کا سامان ہے۔(بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

حیا کی حقیقت واہمیت اور اس کے تقاضے

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عن عبداللّٰہِ بنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قال: قال رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِسْتَحْيُوا مِن اللّٰہِ حقَّ الحياءِ. قَالَ: قلنا: يا رَسولَ اللّٰہ إنَّا لنستحيي، والحمد للّٰہ. قال: ليس ذاكَ، ولكنَّ الاستحياءَ مِن اللّٰہ حقَّ الحياء: أنْ تحفظَ الرَّأسَ وَمَا وَعى، وتحفظَ الْبطَنَ وَمَا حوىٰ، وَتتَذَكَّرَ الموْتَ والبِلى، ومَن أرادالآخرةَ، تَرَكَ زِينةَ الدُّنيا، فمَن فعَلَ ذٰلِكَ، فقَدْ اِسْتَحْيَا مِن اللّٰہِ حقَّ الحياءِ

(ترمذی رقم الحدیث:2458)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے شرم و حیاء کرو جیسا کہ اس سے شرم وحیاء کرنے کا حق ہے، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! الحمد للہ ہم اللہ سے شرم و حیاء کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حیاء کا وہ مطلب نہیں جو تم نے سمجھا ہے، اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں اُس کی حفاظت کرو، اور اپنے پیٹ اور اُس میں جو چیزیں ہیں ان کی نگرانی کرو، موت اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو یاد رکھو، اور جسے آخرت کی چاہت ہو وہ دنیا کی زیب وزینت کو ترک کردے، پس جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھ لو کہ اُس نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا حق ادا کردیا۔

تشریح: اسلامی اصطلاح میں حیاء طبیعتِ انسانی کی ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جس سے مامورات و اوامر کی اتباع اور منہیات ومحرّمات اور فواحش ومنکرات سے اجتناب کی توفیق ملتی ہے، ہر انسان فطری و پیدائشی طور پر حیاء کی خصلت وصفت پر پیدا ہوتا ہے، والدین کی حسنِ تربیت اور ماحول کی عمدگی اور پاکیزگی جہاں اس وصفِ خاص کے پروان چڑھنے کا ذریعہ بنتی ہے، وہیں پر اس سے محرومی اخلاقی تباہی اور روحانی نقصان کا سبب بنتی ہے، کسی مسلمان کے محبوبِ الٰہی ومقبولِ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بننے میں حیاء کا سب سے بڑا دخل ہے، آسان

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

الفاظ میں علماء نے کہا ہے کہ" حیاء کی حقیقت یہ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے بندہ کو نافرمانی ومعصیت میں نہ دیکھے"۔

حدیثِ مذکور میں رسول ﷺ اسی حقیقت کو سمجھانے کے لئے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ: تم اللہ سے اس طرح حیا کرو جیسے حیا کرنے کا حق ہے، صحابہ کرامؓ نے اپنے علم وفہم کے حساب سے جواب میں فرمایا کہ: الحمدللہ ہم حیا کرتے ہیں، رسول ﷺ نے حیا کی وسعت وحقیقت کو بیان کرتے ہوئے تین نہایت اہم امور کی طرف توجہ مبذول کرائی؛ واقعۃً یہ حدیث حیاء کی اصلیت وحقیقت کو واضح کرتی ہے۔

۱) پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ: اللہ تعالیٰ سے حقِ حیاء یہ ہے کہ سر اور متعلقاتِ سر کی حفاظت کی جائے، یعنی دماغ (جو انسانی افکار وخیالات کی آماجگاہ ہے) کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہر قسم کے شکوک وشبہات سے ناپاک اور ناجائز خواہشات وتمناؤں سے محفوظ رکھا جائے، آنکھوں کو بدنگاہی وبدنظری سے بچایا جائے، کہ اِسی ذریعہ سے شیطان اخلاق وایمان کی مایہ پر ڈاکہ ڈالتا ہے، اِسی لئے نگاہوں کی حفاظت بنص قرآنی فرض ہے، زبان (جو اپنے جسم کے اعتبار سے ایک چھوٹا عضو ہے لیکن اپنے جرائم کے لحاظ سے بہت بڑا ہے) کو گناہوں سے دور رکھے، کان (جو آلۂ سماعت ہے) کی گناہوں سے حفاظت کرے، خلاصہ یہ کہ حیاء کا وجود انسان کو ہر قسم کے برے خیالات، نگاہوں کے غلط استعمال؛ زبان وکان کے ناجائز تصرف سے بچاتا ہے۔

۲) دوسری بات ارشاد فرمائی کہ: حق تعالیٰ سے حقِ حیا کا تقاضہ یہ ہے کہ پیٹ اور اس کے اندر جتنی چیزیں ہیں اس کی حفاظت کرو؛ مطلب یہ ہے کہ پیٹ اور اس سے متعلق جتنے اعضاء ہیں (دل، ہاتھ، پیر اور شرمگاہ) ان سب کی گناہوں سے حفاظت حیا کا تقاضہ ہے، دل اللہ تعالیٰ کے انوارات وتجلیات کا محل ہے، اس کو ہر دم اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت سے معمور رکھے، غیر اللہ کے اُس میں گُھس آنے سے بچائے رکھے، ہاتھ اور پیر سے انسان کی زندگی کے بے شمار ضروریات وحاجات وابستہ ہیں، اِن دونوں اعضاء کو ناجائز استعمال کرکے گناہوں میں ملوّث ہونے سے محفوظ رکھے، حیا اور پاکدامنی کے تحفظ کے لئے شرمگاہ کی حفاظت توکسی تفصیل کی محتاج نہیں ہے، اور پیٹ کو ہر طرح کے حرام ومشتبہ مال سے بچائے رکھے، اِس لئے کہ حلال وطیّب غذا کے استعمال سے اعمالِ صالحہ کا وجود ہوتا ہے، اور حرام غذا کے استعمال سے انسان کی ایمانی وروحانی زندگی پر بہت بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۳) تیسری بات اللہ تعالیٰ سے حقِ حیاء کے سلسلہ میں یہ ارشاد فرمائی کہ موت اور اُس کے مابعد کی حقیقتوں کو یاد رکھا جائے، یہ سو فیصد مسلّم اور یقینی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت وسرکشی نیز تمام تر غفلتوں اور بے حسیوں کی وجہ موت کو بھلا دینا ہے،۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

پیش گفتار

مدارس میں عصری تعلیم سے متعلق ایک وضاحت

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وبہٖ نستعین

گذشتہ شمارے میں "دینی مدارس میں عصری تعلیم" سے متعلق جو اداریہ لکھا گیا تھا اس کی اہمیت اپنی جگہ مُسلَّم ہے، اور الحمد للہ اس وقت اکابر دار العلوم دیوبند بھی اس ترمیم کے ساتھ اس سے متفق ہیں کہ یہ عصری تعلیم درس نظامی یعنی شعبۂ عالمیت میں داخلے سے قبل مکمل ہوجانی چاہیئے، عالمیت کے شعبے میں تداخُل نہ ہو، راقم کے نزدیک بھی اگر ہوسکے تو بہت اچھا ہے، مگر شخصی تجربے میں ایسا کرنا بہت دشوار معلوم ہوا ہے، کم ازکم عالمیت کے ابتدائی سالوں میں تداخُل ناگزیر ہے، یعنی اختتامِ حفظ تک ساتویں جماعت مکمل ہوجائے اور ۸ تا ۱۰ کو دوسالوں میں تقسیم کرکے دوم عربی تک طلبہ کو دسویں جماعت پاس کرانا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔

خیر! یہ میری رائے اور تجربہ ہے تاہم یہ کوئی ضروری نہیں اکابر کی رائے پر بھی عمل ہوسکتا ہے، جب تک نظماءِ مدارس کم ازکم ضلعی یا ریاستی سطح پر جمع ہوکر چند ماہرینِ عصری تعلیم کے مشوروں سے اس مسئلے پر مشاورت نہیں کریں گے عملی شکلیں سامنے نہیں آئیں گی پھر کام شروع ہوجائے گا تو اس میں جزوی ترامیم بھی ہوسکتی ہیں، ایک بڑا اقدام اور بڑی تبدیلی ہے جو رفتہ رفتہ قابو میں آئے گی۔

پھر اس سلسلے میں دو نقطہائے نظر ہیں، ایک یہ کہ اُوپن کے ذریعے امتحان دلاکر دسویں کی سرٹیفکیٹ دلادی جائے تاکہ طلبہ کو دینی تعلیم میں مشغول رہنا ممکن ہو۔ دوسرے یہ کہ دین کی دعوت ودفاع کی صلاحیت میں اضافے کے لئے ضرورت سمجھ کر باضابطہ پڑھایا جائے، راقم اپنے تجربات کی روشنی میں اس دوسرے نظریئے کا حامی وداعی ہے، اہلِ مدارس کو اختیار ہے کہ جیسا مناسب سمجھیں اور جس صورت میں حالاتِ مدرسہ کے اعتبار

سے سہولت ہو اُسے اختیار کرلیں۔

ہمارے علاقوں میں اکثر حفظ تک ہی تعلیم کا نظم ہے، عالمیت کا نظام یا تو اکثر مدارس میں ہے نہیں یا پھر دو چار سال کا ہے مکمل نہیں ہے، اِن مدارس ہی کو سب سے زیادہ ذمہ دارانہ کردار ادا کرنا ہے، کیوں کہ کم عمر طلبہ انہی کے پاس آتے ہیں!

یہ یاد رہے کہ دسویں جماعت کے امتحان کے لئے چودہ سال کی عمر شرط ہے، حفظ ہونے ہونے تک بچے تیرہ چودہ سال کے ہوجاتے ہیں، اس کے بعد ہی عالمیت میں جاتے ہیں، اس لئے اگر نظماءِ مدارس اپنے اپنے علاقے کے دین پسند ماہرین عصری تعلیم کے ساتھ مشاورت کرکے دس سالہ عصری نصاب کو سات سال میں ضم کرکے تیار کروالیں اور درجۂ قاعدہ میں سات سال کی عمر میں بچوں کو داخلہ دلا کر سات سال میں یہ نصاب پورا کرادیں اور ساتھ ہی ساتھ قاعدہ ناظرہ اور حفظ مکمل کرلیا جائے تو بچے دسویں کا امتحان دے کر عالم کورس میں داخلہ لے سکتے ہیں، اگر حکومت بارہویں کو بھی لازم کرے گی تو دو سال عالمیت کے ساتھ تکمیل کر لئے جاسکتے ہیں

اطلاع کے لئے عرض ہے کہ حیدرآباد میں ملت فاؤنڈیشن اور ایم ایس اسکول کے اشتراک سے مدارسِ دینیہ کی ضرورت کے مطابق ایک نصاب باقاعدہ مرتب اور شائع ہو چکا ہے، جو مجلس علمیہ تلنگانہ و آندھرا پردیش سے رابطہ کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے، نیز یوپی میں مولانا اشہد رشیدی صاحب زید مجدہٗ مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد نے بعض ماہرین تعلیم کے ذریعے ایک باقاعدہ نصاب مرتب کروایا ہے اسے بھی پسند کیا گیا ہے۔

بعض علاقوں سے ایسی خبریں ہیں کہ عافیت پسند نظماء نے یہ طئے کر رکھا ہے کہ اگر حکومت اپنا تعلیمی نظام ہمارے بچوں پر لاگو کرتی ہے تو پھر ہم مدرسہ بند کرکے اُسے اسکول بنادیں گے اور اسلامی ماحول میں ایک اچھا اسکول چلائیں گے، ایسے خیالات وعزائم نقصان دہ اور مایوس کُن ہیں، ہرگز ایسا نہیں سوچنا چاہیئے، مدارس جس قدر ہیں واقعہ یہ ہے کہ وہ ضرورت سے بہت کم ہیں، اس قسم کے فیصلوں سے مدرسے مزید کم ہوجائیں گے اور ملت کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوجائے گا، بل کہ اس سے دشمنوں کے مقاصد پورے ہونے میں مدد ملے گی، اس لئے مدرسوں کو اپنے اغراض ومقاصد کے ساتھ قائم رکھنا اور اپنے اہداف کو حاصل کرنے کی طرف پوری حوصلہ مندی اور جواں مردی کے ساتھ بڑھاتے رہنا بہت ضروری ہے، عصری علوم کو وقت کی ضرورت کے اعتبار سے علومِ عالیہ کے ماتحت قبول کرنے کی باتیں ہورہی ہیں، اس ملک میں اسلام مدارسِ دینیہ ہی کے ذریعہ سرسبز وشاداب ہے، اور علومِ عالیہ پوری حفاظت کے ساتھ باقی ہیں، قرآنِ کریم کا نور چوطرف پھیلا ہوا ہے، اس کے آوازیں گلی گلی سنائی دے رہی ہیں، دشمن یہی چاہتا ہے کہ فناءِ صدیقؓ وصفۂ مدینہ کی آوازیں بند ہوجائیں، اس

لئے ہرگز ہمارے علماء مایوسی کا شکار نہ ہوں اور مدارس کی حقیقی سرگرمیوں کو متأثر نہ ہونے دیں۔

یہی اہم بات اس وقت کہنی مقصود تھی ، چوں کہ جب کسی عنوان پر بات ہوتی ہے تو اسی عنوان کا اثبات مدنظر رہتا ہے، اس لئے سارا زور اسی پر لگتا ہے، میں اِس توجہ دہانی کو گذشتہ ادارئے کا تتمہ وتکملہ اور ایسا سوچنے والے علماء کرام تک اپنی وضاحت پہنچا دینے کو ضروری سمجھتا ہوں۔

حق تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین متین کا اور مسلمانانِ ہند کا سچا خادم وناصح اور خیر خواہ بنائے۔آمین والسلام علی النبی الکریم

تفصیلات ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

حسب قاعدہ نمبر ۸ ملکیت کے بارے میں

نام رسالہ	:اشرف الجرائد
وقفۂ اشاعت	:ماہانہ
ایڈیٹر/ پرنٹر/ پبلشر	:محمد عبدالقوی
قومیت	:ہندوستانی
پتہ	:ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد
	عائش آفسیٹ پرنٹرس، مسجد معراج، کرماگوڑہ،سعیدآباد، حیدرآباد
مقامِ اشاعت	:ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ کالونی،سعیدآباد، حیدرآباد
مالک	:محمد عبدالقوی

میں محمد عبدالقوی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم ویقین میں صحیح ودرست ہیں۔

دستخط

محمد عبدالقوی

گوشۂ سیرت

رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حکیمانہ ارشادات

حکمت کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے وہ جہاں کہیں اُسے پاتا ہے اپنا لیتا ہے

پیش کش: محترم جناب قاری۔ ایم۔ ایس۔ خان صاحب*

نبیٔ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

۱) کسی انسان کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

۲) حلال اشیاء میں سے جو چاہو کھاؤ اور پیو لیکن اس میں دو چیزیں نہ ہوں۔ (۱) اسراف (۲) تکبر۔

۳) دنیا کی کوئی چیز تمھارے پاس نہ ہو، لیکن یہ چار چیزیں ہوں تو تمہیں کوئی نقصان نہیں۔
(۱) راست گفتاری (۲) حفظِ امانت (۳) خوش خلقی (۴) غذائے حلال۔

۴) خدا تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے بڑھ کر کوئی قطرہ پسند نہیں۔ اوّل آنسو کا قطرہ جو خوفِ خدا میں نکلے۔ دوم خون کا قطرہ جو راہِ خدا میں گرے۔

۵) جہالت افلاس کی بدترین شکل ہے۔

۶) علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے تباہی ہے۔

۷) وہ شخص بے دین ہے جس میں دیانتداری نہیں۔

۸) میانہ روی اختیار کرنے والا کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔

۹) دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔

۱۰) ایک دوسرے کی خوشامد نہ کرو یہ ایسا ہے جیسے کسی کو ذبح کرنا۔

۱۱) سادگی ایمان کی علامت ہے۔

۱۲) تمام بُری خصلتوں میں دو سب سے بُری ہیں۔ (۱) انتہائی کنجوسی۔ (۲) انتہائی بُزدلی۔

۱۳) دو خصلتیں مومن میں نہیں ہوتیں کنجوسی اور بد خلقی۔

---

* بانی و اعزازی صدر ادارۂ علوم القرآن، دعوت القرآن و تعلیم القرآن، و سینئر جرنلسٹ

۱۴) مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر۔

۱۵) زبان سے اچھی بات کے سوا کچھ نہ کہو۔

۱۶) جھوٹی گواہی اتنا بڑا گناہ ہے کہ شرک کے قریب جا پہنچتا ہے۔

۱۷) بدترین شخص وہ ہے جس کے ڈر سے لوگ اس کی عزت کریں۔

۱۸) اپنے کسی بھائی کو مشکل میں دیکھ کر خوش مت ہو۔ ممکن ہے اللہ اُسے مشکل سے نکال کر تمہیں مشکل میں ڈال دے۔

۱۹) نرم مزاج اور نرم خو شخص پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

۲۰) مظلوم کی آہ سے ڈر کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

کہہ کہہ کے سب سے اپنی پریشانئ حیات
کیوں کر رہا ہے مبتلا خود کو عذاب میں
ایمان نہ بیچ غیر سے جا کر مدد نہ مانگ
حل مشکلوں کا ڈھونڈ خدا کی کتاب میں
کتنا سادہ ہے زندگی کا نظام
جس کو آنا ہے اُس کو جانا ہے

(بقیہ صفحہ ۸ سے)

موت (جو کہ ایک اٹل حقیقت ہے) اور اس کے بعد اچھے اور بُرے انجام کو یاد رکھا جائے تو انسان نہ صرف ایک انسان بلکہ اللہ تعالیٰ کا وفادار باحیاء بندہ بن جاتا ہے، آج نجی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک جو اخلاقی برائیاں اور تباہ کاریاں نظر آ رہی ہیں اُس کی بنیادی وجہ موت کی یاد سے غفلت اور آخرت کے انجام سے بے خوفی ہی ہے۔

بہر حال! اگر اِن تینوں باتوں کا اہتمام ہم اپنی زندگی میں کرتے ہیں تو حدیثِ مذکور کی روشنی میں ہم حق تعالیٰ سے حقِ حیاء کرنے والے ہوں گے؛ جو کہ ایمان کی علامت ہے۔

اللہ کرے کہ ہم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ سے اُسی طرح حیاء کرنے والا بن جائے جیسے حیاء کرنے کا حق ہے۔ آمین۔

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب: حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا نام ''برکۃ'' تھا اور عرف ''ام الظباء''، والد کا نام ثعلبہ بن عمرو تھا، حبش کے رہنے والے تھے، ام ایمن مکہ کب اور کیسے پہنچیں؟ اس حوالہ سے مؤرخین نے صراحت نہیں کی ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے قبل وہ سن شعور کو پہنچ چکی تھیں اور بچپن ہی سے نبی کریم ﷺ کے والد محترم کی باندی تھیں، حضرت عبداللہ کے انتقال کے بعد نبی کریم ﷺ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی خدمت کرنے لگیں، نبی کریم ﷺ کی ولادت کے وقت حضرت آمنہ کی خدمت اور خبر گیری پر وہی مامور تھیں، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایامِ طفولیت گذارنے کے بعد جب نبی کریم ﷺ اپنی والدہ محترمہ کے پاس واپس آئے تو حضرت آمنہ اپنے لختِ جگر ننھے محمد کو لے کر ام ایمن کے ساتھ یثرب تشریف لے گئیں، اس وقت نبی کریم ﷺ چھ برس کے تھے، آمنہ وہاں خاندان بنی نجار میں رُکیں ـــــ جہاں حضور اکرم ﷺ کے دادا کا ننہال تھا، ـــــ پھر کم وبیش ایک مہینہ کے بعد جب نبی کریم ﷺ کو لے کر اُمِّ ایمن کے ساتھ مکہ کی جانب سفر شروع کیا، مقام ''ابواء'' پہنچ کر نبی کریم ﷺ کی والدہ محترمہ بیمار ہوئیں اور وہیں راہیِ عالمِ بقا ہوگئیں، ام ایمن نے بڑے حوصلے کے ساتھ حضرت آمنہ کو وہیں سپرد خاک کرکے ننھے محمد (ﷺ) کو لے کر مکہ آئیں، پھر آپ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی آغوش تربیت میں آئے۔ حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ کے نکاح کے بعد آپ ﷺ نے ان کو آزاد فرمادیا تھا۔ (اسد الغابۃ: ۷/۲۹۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

قبول اسلام اور مصاعب ومتاعب

حضرت ام ایمنؓ بھی ان خوش نصیب عورتوں میں شامل ہیں، جنہیں سابقین اولین میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا، نہایت ہی زیادہ مصاعب ومتاعب اور اندوہ ناک زہرہ گداز چیرہ دستیوں کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے جب ۵ نبوت میں حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت مرحمت کی تو اس سال گیارہ

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

مردوں اور چار خواتین نے ہجرت کی، پھر سن ۶ نبوت میں ۸۳ مردوں اور ۱۸ خواتین نے حبشہ کی جانب رختِ سفر باندھا، ابن سعد کے مطابق حضرت ام ایمن ؓ بھی انہیں مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں، چنانچہ چند سالوں کے بعد مکہ واپس آئیں اور مدینۃ الرسول کی جانب مع ام المؤمنین سودہ ؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمۃ الزہراء ؓ اور حضرت ام کلثوم ؓ اور اپنے فرزند سمیت ہجرت کی۔

ام ایمن ؓ کے ازواج واولاد:

انہوں نے عبید اللہ بن حارث الخزرجی سے نکاح فرمایا، جن سے ''ایمن'' تولد ہوئے، ایمن ؓ نے ہجرت بھی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا، اور غزوۂ حنین میں جام شہادت بھی نوش کیا، جب ام ایمن ؓ بیوہ ہوئیں تو خوردسال ایمن ؓ کو لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دلجوئی کی اور ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اگر کوئی شخص جنت کی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو وہ ام ایمن ؓ سے نکاح کرے''، ''من سره أن يتزوج امرأة من أهل الجنة فليتزوج أم ايمن'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی ارشاد کی وجہ سے حضرت زید بن حارثہ ؓ نے ام ایمن ؓ سے نکاح کرلیا، جن سے سن ۷ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے حضرت اسامہ بن زید ؓ پیدا ہوئے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ۱۷۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ام ایمن کی بہادری اور صبر وضبط:

ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ابتداء غزوہ احد ۲ سن ہجری میں شرکت کی، معمر ہو چکی تھیں، لیکن اس کے باوجود ان خواتین میں شامل رہیں جو مجاہدین کو پانی پلاتیں، مریضوں کی تیمارداری کرتیں، غزوۂ احد کے بعد غزوہ خیبر تک شریک جنگ رہیں، ان کے صاحبزادے ایمن ؓ نے جنگ حنین کے موقعہ پر بڑی بہادری سے کفار کا مقابلہ کیا اور جام شہادت نوش کیا، حضرت ام ایمن ؓ نے اپنے فرزند کی شہادت پر بڑے صبر وضبط سے کام لیا، اور ایمن ؓ کے فرزند ''حجاج'' کو اپنی سایہ عاطفت میں پروان چڑھایا جو بعد میں مدینہ کے بڑے علماء میں شمار ہوئے، جن سے چند ایک احادیث بھی مروی ہیں، جنگ موتہ میں ان کے شوہر حضرت زید بن حارثہ ؓ نے جام شہادت نوش کیا تو انہیں بڑا صدمہ ہوا، لیکن دامن رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سایہ عاطفت نبوی نے زخم پر مرہم کا کام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرپرستی اور دِل داری نے ان کے غم کو ہلکا کیا۔

بڑی بابرکت خاتون:

حضرت ام ایمن ؓ نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گودوں میں کھلایا تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش میں اُن کا بڑا کردار تھا، ساتھ ہی ساتھ والد، والدہ اور رشتہ دار اور دوسرے بزرگوں کو بھی خوب برتا اور ان کی خدمت

گذاری کی تھیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بڑی تعظیم وتکریم فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ''ام ایمن رضی اللہ عنہا میری ماں ہیں'' (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب: ۴/ ۱۷۹۴، دار الجیل، بیروت) اور بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ''ھذہ بقیۃ أھل بیتی'' (سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۴۸۰، دار الحدیث، القاھرۃ) کہہ کر اشارہ فرماتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بڑی دلداری فرمایا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انصار نے بہت سے نخلستان دیئے تھے، جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر غلبہ حاصل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاریوں کے باغات واپس کرنا شروع کئے، ان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھی باغات تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کو عطا کئے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ باغات حضرت انس رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیئے تو ام ایمن رضی اللہ عنہا کو خفگی ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے مزید دس گنا بڑھ کر عطا فرما کر ان کی خفگی کو دور فرمایا۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ۱۸۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، ام ایمن رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دفعہ آ کر کہا: مجھے سواری دے دیجیئے، فرمایا: میں تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا، بولیں: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ میرا بوجھ نہیں اٹھا پائے گا، اور نہ میں بچہ لوں گی، فرمایا: میں تو تمہیں اونٹنی کے بچہ ہی پر سوار کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح ان سے دل لگی کر رہے تھے، اور دل لگی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچ ہی فرمایا کرتے تھے، کیوں کہ اونٹ اونٹنیوں کے بچے ہی ہوتے ہیں۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ۱۷۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت ابو بکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے دور خلافت میں کہا کرتے تھے چلو چل کر ام ایمن کی زیارت کر آتے ہیں، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی زیارت کیا کرتے'' نزورھا کما کان رسول ﷺ یزورھا'' (استیعاب فی معرفۃ الأصحاب: ۴/ ۱۷۹۳)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا وحی کی تعظیم کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر رو پڑیں، ان سے پوچھا گیا، کیا آپ بھی روتی ہیں؟ تو فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے تو یہ پتہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا جائیں گے، لیکن مجھے رونا آسمان سے وحی کے منقطع ہونے پر آ رہا ہے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ۱۸۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

وفات:

واقدی کہتے ہیں، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انتقال کر گئیں۔ بڑی طویل عمر پائیں، ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں، راویوں میں حضرت انس، حنش بن عبد اللہ اور ابو یزید مدنی رحمہا اللہ شامل ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۸۲)

تذکارِ صحابہؓ

سیدنا ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حضرت سیدنا ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور عشرۂ مُبشرہ میں سے ہیں۔ جرأت وشجاعت اور قیادت وسپہ سالاری میں طاق ہیں، حکمت ودانائی اور دوراندیشی وعاقبت بینی میں اپنی مثال آپ ہیں، پھران سب کے ساتھ ساتھ سادگی وبے نفسی، عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ میں قابل رشک شخصیت کے مالک ہیں۔

مؤرخین کے مطابق آپ کا شمار جنگی امور کے ان ماہرین میں ہوتا ہے جو اپنی حسن تدبیر سے میدان کارزار کا نقشہ بدل دیتے ہیں۔ آپ ہی کی کامیاب قیادت میں مسلمانوں نے اس وقت کی سب سے بڑی طاقت روم سے ٹکر لی اور زبردست فتح حاصل کی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مواقع پر آپ کی تعریف وتوصیف فرمائی اور امین ھذہ الامۃ کے لقب سے سرفراز کیا۔

مختصر سوانحی خاکہ:

آپؓ کا نام: عامر، کنیت: ابوعبیدہ، لقب: امین الامۃ اور والد کا نام: عبد اللہ ہے۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: ”عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن وہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ“ آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں ”فہر“ پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ دادا کی طرف منسوب ہوکر ابن الجراح کہلاتے ہیں۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۱۲۴)

قبولِ حق:

حضرت ابوعبیدۃ بن الجراحؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مخلصانہ دعوت پر حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوئے، آپ کا شمار ان عظیم ترین افراد میں ہوتا ہے، جنھوں نے مشقت ومجاہدے کے اس ابتدائی دور میں دینِ اسلام قبول کیا، جسے مسلمانوں کے حق میں مظلومیت وکس مپرسی، بے بسی وبے چارگی اور آزمائش وجاں گدازی کا زمانہ کہا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا بڑا مقام ومرتبہ ہے، ان کے لیے عظیم خوشخبریاں ہیں، اور

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

انہیں قرآن کریم میں ''السابقون الأولون'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔آپ رضی اللہ عنہ دراز قد، دبلے پتلے، شگفتہ مزاج اور پیکرِ عجز وانکسار تھے۔سر اور داڑھی کے بالوں میں مہندی لگایا کرتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم وستم سے عاجز آکر دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے۔پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، جہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں اور حضرت بن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میں باہمی بھائی چارہ کرایا۔(الاصابہ: ۴/ ۷۶)

امینِ امت:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ایک بار نجران والوں کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے ہمراہ کسی ایسے شخص کو روانہ فرمائیں جو ''امین'' ہو...... تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری طرف ایک ایسے شخص کو روانہ کروں گا جو واقعی ''امین'' ہوگا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سننے کے بعد متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کی حسرت اور تمنا کرنے لگے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کام کے لیے مجھے منتخب فرمائیں؛ تاکہ یہ عظیم خوش خبری میرے حصے میں آئے، کیوں کہ آپ ﷺ نے پیشگی یہ خوشخبری سنادی تھی کہ میں اس مقصد کے لیے ایک ایسے شخص کو منتخب کروں گا جو واقعی ''امین'' ہوگا؛ لہٰذا یہ خود آپ ﷺ کی طرف سے بہت بڑی گواہی تھی اُس شخص کے حق میں کہ جسے منتخب کیا جانا تھا، تب اس موقع پر آپ ﷺ نے اس کام کے لیے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ کو منتخب فرماتے ہوئے اس وفد کے ہمراہ روانگی کا حکم دیا۔(بخاری شریف)

غزوات میں شرکت:

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راہ شریک رہے اور محبت رسول واطاعت الٰہی کا حق ادا کر دیا۔غزوۂ بدر میں اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔(سنن الصغری للبیہقی) قرآن پاک کی ایک آیت آپ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے باپ، بیٹے، بھائی اور اہل خاندان کے خلاف قتال کی وجہ سے اُنہیں جنت کی بشارت دی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

جنگ احد میں جب مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور مشرکین میں سے ایک بدبخت صدا دے رہا تھا: مجھے بتلاؤ محمد کہاں ہیں؟ تو اس سخت ترین موقعے پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان دس صحابہ کرام میں سے ایک تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے میں لے لیا تھا۔مشرکین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب پھینکے جانے والے ہر تیر کو وہ اپنے سینے پر روکتے تھے۔جب جنگ کا خاتمہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رباعی ٹوٹ چکے تھے، پیشانی

زخمی ہوچکی تھی اور زرہ کی دو کڑیاں آپ کے داڑھ میں پھنس چکی تھیں۔ ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے کہ ان دونوں کڑیوں کو نکالیں، مگر ابوعبیدہؓ نے انھیں قسم دی کہ یہ کام میرے لیے چھوڑ دو۔

ابوعبیدہؓ کو ڈر تھا کہ اگر میں ان کڑیوں کو اپنے ہاتھ سے نکالوں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔ لہذا آپ نے اپنے ثنایا (پہلو کے دانت) سے مضبوطی سے پکڑ کر کھینچا جس سے ایک کڑی تو نکل گئی لیکن آپ کے دانت بھی ٹوٹ گئے۔ ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں ہمارے درمیان صرف ابوعبیدہؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ انھوں نے اپنے چار دانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راحت پہنچانے کے لیے شہید کر دیے۔

غزوۂ احزاب میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے ایک مستعد اور بہادر سپاہی کی حیثیت سے شرکت کی اور اس کے بعد بنوقریظہ کے استیصال میں حصہ لیا۔ غزوہ احزاب کے بعد بنوثعلبہ اور بنوانمار کی غارت گری کے انسداد پر مامور ہوئے اور ان کے مرکز ذی القصہ پر کامیاب چھاپہ مارا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان میں شامل ہو کر اللہ تعالی کی رضا حاصل کی۔ اور غزوہ خیبر میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان فدائیوں میں شامل تھے جنھوں نے اپنی شمشیر زنی کا حق ادا کیا۔

رمضان ۸ ھ میں ابوعبیدہ بن جراحؓ غزوۂ فتح مکہ میں شریک ہوئے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو پیادہ دستے کی کمان سپرد فرمائی جو شہر میں داخلہ کے وقت آپ کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ۸ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لیے نصاریٰ کے ایک وفد کے ساتھ نجران بھیجا۔ یہی وہ موقع تھا جب آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو امینِ امت کے لقب سے نوازا۔ ۹ ھ ہی میں آپؓ جزیہ کی وصولی کے لیے بحرین گئے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علا بن حضرمی کو عامل مقرر کر رکھا تھا۔ سیدنا ابوعبیدہؓ فجر کی نماز کے وقت واپس پہنچے تو انصار جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا، ''تم نے سن لیا ہے، ابوعبیدہؓ کچھ لے کر آئے ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے تمہاری محتاجی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ میں تو ڈرتا ہوں کہ تم پر پہلی امتوں کی طرح دنیا کشادہ کر دی جائے گی پھر تم اس کے پیچھے بھاگ کر ویسے ہی ہلاک ہو جاؤ گے جیسے پہلی قومیں ہوئی تھیں۔

المختصر: حضرت ابوعبیدہؓ تمام غزوات میں شریک رہے اور دیوانہ وار دشمنان اسلام کا مقابلہ کرتے رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور صحابہ کرام سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انصار و مہاجرین کے درمیان امر خلافت کو لے کر اختلاف ہونے لگا تو عمر بن خطابؓ نے ابوعبیدہؓ سے فرمایا: ''آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں! میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور آپ اس امت کے امین ہیں''۔ ابوعبیدہؓ نے جواباً فرمایا: ''میں اس شخص کے مقابلے میں اپنے

آپ کو مقدم نہیں کرسکتا جسے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ نماز میں ہماری امامت کرے اور پھر اس نے امامت کی اور رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی'' ۔ یہ کہہ کر آپ نے ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی؛ جس کے بعد اختلاف فرو ہوا اور آپؓ حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں ہمیشہ حق بات کے لیے آپ کو نصیحت کرتے رہے اور بھلائی کے کام میں ہمیشہ آپ کے مددگار رہے۔ ابوبکرؓ کی خلافت کے بعد عمر فاروقؓ خلیفہ بنے۔ ابوعبیدہؓ نے ان کی بھی اطاعت کی اور کبھی ان کی حکم عدولی نہیں کی۔ اس طرح ابوعبیدہؓ کو اپنی عظمت کردار اور زہد وتقویٰ اور بے پناہ صلاحیتوں کی وجہ سے اہل مدینہ میں بہت اثر ورسوخ حاصل تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو آپ پر اس حد تک اعتماد تھا کہ ابولؤلؤ فیروز کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد جب انہیں خلیفہ کی تلاش تھی تو آپ نے فرمایا: ''اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو انہیں خلیفہ بناتا؛ کیونکہ حضور نے انہیں امین امت قرار دیا تھا۔''

امیر الامراء وسپہ سالارِ اعلیٰ:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند نشینی کے بعد 13ھ میں ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابوعبیدہؓ کو حمص پر یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر شرحبیلؓ کو اوراردن پر عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور کیا، اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہوجائیں تو ابوعبیدہؓ سپہ سالار عام ہوں گے۔ حضرت ابوعبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے تو کثیر تعداد میں رومی فوجوں کا سامنا ہوا یہ دیکھ کر انہوں نے تمام اسلامی فوجوں کو یکجا کرلیا اور دربارِ خلافت سے مزید کمک طلب کی، چنانچہ حضرت خالید بن ولیدؓ جو عراق کی مہم پر مامور تھے، دربارِ خلافت کے حکم سے راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شامی فوج سے آکر مل گئے اور متحد فوج نے بصریٰ، فحل اور اجنادین کو فتح کرکے دمشق کا محاصرہ کرلیا بالآخر عیسائی مصالحت پر راضی ہوئے، اس طرح فتح دمشق کے ذریعہ مسلمانوں کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

اِدھر متواتر ہزیمتوں نے رومیوں کی آتشِ غضب کو بھڑکا دیا اور ہرقل شہنشاہ روم کی دعوت پر تمام اطرافِ ملک سے ٹڈی دل فوج مجتمع ہوگئی، اور اُدھر جنگ سے کچھ قبل مدینہ میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہوگیا، جس پر ان کی وصیت کے مطابق خلافت کی ذمہ داریاں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنبھال لیں، خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد ملکی نظم ونسق سے متعلق متعدد امور میں انہوں نے کچھ تبدیلیاں کیں، اسی ضمن میں ایک بڑی تبدیلی یہ کی کہ ملکِ شام میں رومیوں کے خلاف برسرِ پیکار اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے اس منصب سے معزول کرکے ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہؓ کو سپہ سالار مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہؓ

رضی اللہ عنہ کے نام خط تحریر کیا؛ جس میں انہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ بطورِ سپہ سالار ذمہ داریاں سنبھالنے کی تاکید کی۔

جن دنوں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ خط حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو موصول ہوا، اُن دنوں مسلمان نہایت زور وشور کے ساتھ حضرت خالدؓ کی سپہ سالاری میں سلطنتِ روم کے خلاف انتہائی نازک اور فیصلہ کن جنگ ''یرموک'' کے لیے تیاریوں میں مشغول تھے، تیاری آخری مراحل میں تھی اور جذبات عروج پر تھے......لہٰذا خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ کی طرف سے یہ مکتوب ملنے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ بڑی کشمکش میں مبتلا ہوگئے؛ کیوں کہ ایسے نازک موقع پر سپہ سالارِ اعلیٰ کی تبدیلی سے متعلق اتنا بڑا فیصلہ فی الحال کسی طرح مناسب نہیں تھا، کیوں کہ اس طرح اسلامی لشکر میں باہم اختلاف وافتراق اور رنجش وتلخی پیدا ہوسکتی تھی اور اس نازک موقع پر یہ معاملہ مسلمان سپاہیوں کے لیے حوصلہ شکنی اور پست ہمتی کا سبب بن سکتا تھا۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت ابوعبیدہؓ نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے خلیفۂ وقت حضرت عمر بن خطابؓ کی طرف سے موصول شدہ مکتوب اور اس کے مضمون کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی اور اس معاملے کو جنگِ یرموک کے بعد تک ملتوی کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ جنگِ یرموک کا جب اختتام ہوا اور یہ نازک ترین مرحلہ بہ خیر وخوبی طے کرلیا گیا، تب ایک روز حضرت ابوعبیدہؓ نے اس بارے میں نہایت ادب اور محبت کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ کو اطلاع دی، اس پر حضرت خالدؓ نے جواب میں نہایت عزت واحترام کے ساتھ انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: يَرحمکَ اللّٰهُ يَا أبَا عُبَيدَة ، مَا مَنَعَکَ أن تخبرَنِي حِينَ جَاءَکَ هٰذَا الكِتَابُ ؟ یعنی ''ابوعبیدہ! اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کو جب یہ خط موصول ہوا تھا اُسی وقت آپ نے مجھے اس بارے میں مطلع کیوں نہیں فرمادیا؟'' جواب میں ابوعبیدہؓ نے فرمایا: اِنِي كَرِهتُ أن أكسِرَ عَلَيكَ حَربَکَ......یعنی ''مجھے یہ بات گوارا نہیں تھی کہ میں آپ کو اس بارے میں مطلع کرکے آپ کی جنگی تیاریوں کی راہ میں کسی پریشانی کا سبب بنوں''، اور پھر مزید فرمایا: ''ہمیں کسی دنیاوی شان وشوکت کا کوئی لالچ نہیں ہے، اور نہ ہی یہ دنیا ہمارا مطلوب ومقصود ہے، ہم سب تو بس اللہ کی راہ میں بھائی بھائی ہیں''۔ تب حضرت خالد بن ولیدؓ نے تمام لشکر کو مطلع کیا کہ ''دیکھو اب یہ ابوعبیدہؓ ہمارے نئے سپہ سالار ہیں''۔

نیز اس موقع پر ابوعبیدہؓ کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت اور یکجہتی ووفاداری کے اظہار کے طور پر مزید یہ الفاظ بھی کہے: اِنِي سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُول : أَمِينُ هٰذِهِ الأُمَّةِ أَبُو عُبَيدَة ۔ یعنی ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اس اُمت کے خاص امین ابوعبیدہ ہیں''۔ اس پر حضرت

ابوعبیدہؓ یوں گویا ہوئے: وَاِنِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: خَالِدُ بنُ الوَلِيدِ سَيفٌ مِن سُيُوفِ اللهِ ۔یعنی ’’میں نے رسول اللہ ﷺ کو یوں ارشادفرماتے ہوئے سنا کہ ’’خالد بن ولیدتو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوارہیں‘‘۔اوریوں اس اہم موقع پران دونوں جلیل القدرشخصیات نے تمام لشکرکے سامنے ایک دوسرے کے لئے خیرسگالی،عقیدت ومحبت اورادب واحترام کے جذبات کااظہارکیا۔

اس کے بعدنئے سپہ سالاریعنی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیرِقیادت سلطنتِ روم کے خلاف مسلسل پیش قدمی اورفتوحات کایہ سلسلہ جاری رہا،حتیٰ کہ سن پندرہ ہجری میں انہی کی سپہ سالاری میں ’’دمشق‘‘فتح ہوا،اورپھر’’فتحِ بیت المقدس‘‘ کاانتہائی یادگاراورعظیم الشان واقعہ پیش آیا۔اس یادگاراورتاریخی موقع پرجب رومیوں کےساتھ ایک معاہدے کے نتیجے میں رومیوں کی طرف سے بیت المقدس کی چابی مسلمانوں کے حوالے کی جانی تھی،تب خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے مدینہ میں حضرت علیؓ کواپنانائب مقررفرمایاتھااورخودمدینہ سےطویل سفرطےکرتے ہوئے بیت المقدس پہنچے تھے۔

اُس وقت حضرت ابوعبیدہؓ تمام اسلامی لشکرکےسپہ سالارِاعلیٰ تھے؛بلکہ اُن دنوں انہیں ’’اَمیرالاُمراء‘‘کے لقب سےبھی یادکیاجاتاتھا؛کیونکہ مختلف علاقوں میں بڑی تعدادمیں موجوداسلامی لشکروں کےسپہ سالارانہی کی زیرِنگرانی فرائض انجام دےرہے تھے،نیزیہ کہ سلطنتِ روم کےاس قدروسیع وعریض مفتوحہ علاقوں میں انہی کاحکم چل رہاتھا،رومیوں کےچھوڑےہوئےتمام خزانےانہی کےقدموں میں تھے؛لیکن اس کےباوجودخلیفۂ وقت امیرالمؤمنین حضرت عمربن خطاب رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ سے بیت المقدس تشریف لائے اوروہاں انہوں نے اپنی طرف سے مقررفرمودہ سپہ سالارِاعلیٰ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کااس قدرسیدھا سادھا طرزِزندگی دیکھا،توبہت زیادہ متأثرہوئےاورانہیں مخاطب کرتے ہوئے بےساختہ یہ الفاظ کہے: غَيَّرَتْنَا الدُّنيَا كُلَّنَا... غَيرَكَ يَا أَبَا عُبَيدَة... یعنی’’اےابوعبیدہؓ! دنیا کی خوشحالی وفراوانی نے ہم سب کوبدل کررکھ دیاہےسوائےآپ کے‘‘۔(ملخص ازاصحاب الرسول ﷺ،ص:۱۴۰)

خلیفۂ دوم امیرالمؤمنین حضرت عمربن خطاب رضی اللہ عنہ توپہلے ہی اپنے پرانے ساتھی ابوعبیدہؓ کی شخصیت سے بہت زیادہ متأثرتھے،اب بیت المقدس سے واپسی کے بعدمزیدمتأثرہوگئے،چنانچہ اب وہ مدینہ میں بسااوقات ان کاذکرِخیرکیاکرتے تھے۔

سانحۂ وفات:

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ابوعبیدہؓ شام کےشہروں میں مسلم افواج کی قیادت کررہے تھےاورہرجنگ

میں انھیں کامیابی نصیب ہورہی تھی ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں شام کے تمام شہروں کو فتح ونصرت سے ہم کنار کیا اور آپ کی قیادت میں مسلم فوج مشرق میں فرات اور شمال میں ایشیا تک اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکی تھی۔فتوحات کے یہ سلسلے جاری تھے کہ ملک شام میں طاعون کا روگ پھیل گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس قدر شدید ہوگیا کہ اس سے پہلے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی تھی اور لوگ یکے بعد دیگرے لقمہ اجل بننے لگے۔لہذا امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے ایک قاصد کے ہاتھوں ابو عبیدہؓ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا: ’’مجھے تم سے ایک ضروری کام آپڑا ہے لہذا میرا یہ خط اگر تمہیں رات میں ملے تو میں تمھیں یہ تاکید کرتا ہوں کہ صبح کا انتظار نہ کرنا اور میری طرف چل پڑنا‘‘۔ابو عبیدہؓ نے عمر فاروقؓ کا یہ خط پڑھ کر فرمایا: ’’میں جانتا ہوں کہ امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام نکل آیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ ایک فنا ہونے والے کو بچالیں۔‘‘ پھر آپ نے ایک خط امیر المومنین کو لکھا: ’’امیر المومنین! میں جانتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے کیا کام ہے، میں اس وقت مسلم فوج کے درمیان ہوں اور میری قطعاً یہ خواہش نہیں ہے کہ میں اپنے آپ کو اس مصیبت سے بچالوں جس میں میری فوج گرفتار ہے۔ میں ان سے اس وقت تک جدا نہیں ہوں گا تاوقتیکہ اللہ میرے اور ان کے معاملے میں فیصلہ نہ کردے اور جب میرا یہ خط آپ کو ملے تو جو قسم آپ نے مجھے دی ہے اسے اللہ کے لیے ختم کر دینا اور مجھے اجازت دینا کہ میں فوج کے ساتھ رہ سکوں۔‘‘ جب حضرت عمرؓ نے یہ خط پڑھا تو آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور آپ ہچکیاں لے لے کر رونے لگے۔حاضرین میں سے کسی نے پوچھا: ’’امیر المومنین! کیا بات ہے کیا ابو عبیدہؓ کا انتقال فرما گئے‘‘۔آپ نے فرمایا نہیں؛ لیکن موت ان سے قریب ہے۔عمر فاروقؓ کا یہ گمان غلط ثابت نہیں ہوا۔ کچھ ہی دنوں میں ابو عبیدہؓ کو طاعون نے آگھیرا، وفات سے پہلے آپ نے مسلم فوج کو اس طرح وصیت کی: ’’میں تمھیں ایک ایسی وصیت کررہا ہوں کہ اگر تم نے اسے قبول کرلیا تو بھلائی ہمیشہ تمہارا نصیبہ رہے گی۔نماز قائم کرو، رمضان کے روزے رکھو، صدقات دیا کرو، حج اور عمرہ کرو، اچھی باتوں میں ایک دوسرے کو نصیحت کرو، اپنے سرداروں کو نصیحت کرتے رہو؛ تاکہ وہ گمرہی کا شکار نہ ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دنیا تمہیں ہلاکت میں مبتلا کردے۔اگر کسی شخص کو ایک ہزار سال کی عمر بھی مل جائے تو اس کا بھی انجام وہی ہوگا جو آج تم میرا دیکھ رہے ہو۔والسلام علیکم ورحمۃ اللہ‘‘۔پھر آپ معاذ بن جبلؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ’’معاذ! لوگوں کو نماز پڑھاؤ‘‘ (ان کی امامت قبول کرو) اتنا کہہ کر حددرجہ سکون کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑ کر عالمِ آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔ حضرت معاذؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ’’لوگو! آج تم ایک ایسے شخص کے غم میں ڈوبے ہوئے ہو جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم! بڑے کشادہ دل والا تھا اور جس سے حسد کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔عاقبت کی محبت

میں اس سے شدید کوئی نہیں گزرا اور عام مسلمانوں کو اس سے اچھا ناصح نصیب نہ ہوا، تم سب اس کے لیے رحمت کی دعا کرو۔"

اٹھاون برس کی عمر میں یہ عہد ساز شخصیت مالک حقیقی سے جا ملی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اٹھاون برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ میں تاریخ نے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دیکھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

(بقیہ صفحہ ٦ سے)

ان ہدایات کا یہ مطلب نہیں کہ گھر عورت کے لئے قید خانہ ہے کہ وہ باہر نکل ہی نہیں سکتی، ہرگز نہیں! کبھی خواتین کو کسی ضرورت سے باہر نکلنا پڑے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے امت کی تمام خواتین کو یہ ہدایت دی گئی کہ تم باحجاب آیا جایا کرو، خوش بو لگا کر، زیب وزینت ظاہر کرتے ہوئے باہر مت جاؤ، تاکہ تمہاری شرافت وعزت محفوظ رہ سکے، اور تم منافق صفت مردوں کی چشمہائے ہوس اور دست درازیوں سے مامون رہ سکو، اب تک بے حجاب نکلا کرتی تھیں تو توبہ کر لو، اللہ بہت معاف فرمانے والے ہیں اور عزم کر لو کہ آئندہ حجاب کا اہتمام رکھو گی تو ان شاء اللہ رحمتِ خداوندی میں جگہ پاؤ گی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حجاب بالجلباب (جس کا آیتِ قرآنی میں حکم ہے) کی صورت یہ بیان فرمائی کہ "عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو، چہرہ اور ناک بھی اس سے چھپے ہوئے ہوں، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے کھلی ہو"۔

روایات اور تاریخی واقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ اُمہات المومنین سے لے کر عام مومنات وصالحات نے نزولِ احکامِ حجاب کے وقت سے اب تک حجاب سے متعلق اِن شرعی ہدایات واحکامات کو حرزِ جاں بنایا اور رِدائے عفت وعصمت کو داغ دار ہونے سے محفوظ رکھا، بلاضرورت گھروں سے باہر نکلنے سے گریز کیا، دنیا میں اپنی ناموس کی حفاظت کا انمول نمونہ اُمت کی بیٹیوں کو دیا۔ موجودہ دور خیر القرون سے کہیں زیادہ احکام حجاب پر عمل آوری کا داعی ہے، امت کی قابل قدر مائیں، بہنیں اور بہو بیٹیاں مسئلہ حجاب کی اہمیت پر توجہ دیں، کم از کم زندگی میں ایک دفعہ کتاب وسنت کی واضح ہدایات کو پڑھ لیں اور خوب سمجھ لیں، تاریخ کے صفحات میں محفوظ ان پاکیزہ مقدس صحابیات وتابعیات، عالمات وصالحات کی زندگیوں کو پڑھیں، معلوم ہوگا کہ حجاب ان کی معراجِ حیات تھی، تعلیم وتعلم میں، سماجی ورفاہی خدمات میں، صنعت وتجارت میں پردہ ان کا امتیازی وصف تھا، جب بناتِ اسلام باپردہ رہنے کا عزم کر لیں گی تو شیطان کی کوئی چال کارگر نہ ہوگی، مغربی معاشرہ دیدۂ عبرت ہے ساری جہاں بالخصوص اہلِ مشرق کے لئے۔ وفقنا اللہ ونسائنا المؤمنات لما یحب ویرضیٰ

اصلاحی مضامین

ماہ شعبان اور شب براءت

مولانا ندیم احمد انصاری

''شعبان'' اسلامی سال کا آٹھواں مہینہ ہے۔ یوں تو یہ پورا ہی مہینہ نفلی روزوں اور نفلی عبادات کے لیے متبرک اور فضیلت والا ہے، اس لیے کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ماہ میں کثرت سے نفلی روزے رکھتے تھے جیسا کہ احادیث میں مروی ہے، اس کے علاوہ اس ماہ میں ایک مبارک و محمود رات ہے جسے 'شبِ برأت' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انھیں چیزوں کا ہم یہاں مختصراً تذکرہ کریں گے۔ ان شاء اللہ

ماہِ شعبان کی اہمیت

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا؛ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے آپ کو شعبان کے مہینے سے زیادہ کسی مہینے میں (نفلی) روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ ماہِ شعبان، رجب اور رمضان کا درمیانی مہینہ ہے، جس سے لوگ غافل ہوتے ہیں، جب کہ اس مہینے میں لوگوں کے اعمال اللہ رب العالمین کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال (اللہ کے حضور پیش) ہوں تو میں روزہ دار رہوں۔ (نسائی: ۲۳۵۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شعبان کا، رمضان کی تعظیم کے لیے۔ (ترمذی: ۶۶۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (رمضان کے علاوہ) شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ شعبان کے اکثر حصہ میں آپ روزے رکھتے تھے، بلکہ (قریب قریب) تمام مہینے کے روزے رکھتے تھے۔ (بخاری: ۱۹۷۰، مسلم: ۷۸۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا (ترقی کر کے) تمام ماہِ شعبان کے روزوں کا ذکر صاف بتلاتا ہے کہ اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ (خصائل نبوی: ۲۵۳)

شب برأت

شب برأت اسلام میں ایک مبارک رات ہے، جس کی فضیلت بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ 'شبِ برأت' دو لفظوں سے مرکب ہے؛ (۱) شب اور (۲) برأت۔ 'شب' فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے 'رات' اور برأت عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے 'چھٹکارا'۔ (اللغات الکشوری: ص، ۴۱۱، والقاموس الوحید: ۱/ ۱۵۷) حدیث کے مطابق چوں کہ اس رات میں بے شمار گنہگاروں کی مغفرت اور مجرموں کی بخشش ہوتی ہے اور عذابِ جہنم سے چھٹکارا اور نجات ملتی ہے، اس لیے عُرف میں اس رات کا نام 'شبِ برأت' مشہور ہوگیا، البتہ! حدیث شریف میں اس رات کا کوئی مخصوص نام نہیں آیا، بلکہ لیلۃ النصف من شعبان یعنی شعبان کی درمیانی شب کہہ کر اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ (الفضائل والاحکام للشھور والایام: ۳۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو اس میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں غروبِ آفتاب ہی سے آسمان دنیا پر (اپنی شان کے موافق) نزول فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ 'ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کر دوں؟ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اس کو روزی دوں؟ ہے کوئی مصیبت میں مبتلا کہ میں اس کو عافیت دوں؟ اسی طرح اور بھی ندائیں جاری رہتی ہیں، یہاں تک کہ صبح صادق ہو۔ (ابن ماجہ: ۱۳۸۸، شعب الایمان للبیہقی: ۳۸۲۲) اسی لیے علماء نے پندرھویں شعبان کی رات کو جاگ کر عبادت کرنا اور دن میں روزہ رکھنا مستحب قرار دیا ہے۔

شبِ برأت اور قرآنِ حکیم

اللہ سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے: حٰمٓ، وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ، إِنَّآ أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ، فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ، أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ۔ (الدخان: ۱-۵) ترجمہ: قسم ہے اس کتابِ واضح کی۔ ہم نے اس کو اتارا، ایک برکت والی رات میں، ہم ہیں کہ ڈر سنانے والے۔ اسی میں جدا ہوتا ہے، ہر کام جانچا ہوا، حکم ہو کر ہمارے پاس سے۔ ہم ہیں بھیجنے والے۔ (از: حضرت مولانا محمود الحسنؒ: ۶۵۹)

خلاصہ تفسیر:

حٰمٓ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں)۔ قسم ہے اس کتابِ واضح (یعنی قرآن) کی کہ ہم نے اس کو (لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر) ایک برکت والی رات (یعنی شبِ قدر) میں اتارا ہے، (کیوں کہ) ہم (بوجہ شفقت کے اپنے ارادے میں بندوں کو) آگاہ کرنے والے تھے (یعنی ہم کو یہ منظور ہوا کہ ان کو مضرتوں سے بچانے کے

لیے خیر وشر پر مطلع کر دیں۔ یہ قرآن کو نازل کرنے کا مقصد تھا۔آگے اس شب کے برکات ومنافع کا بیان ہے کہ)اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم (صادر) ہوکر طے کیا جاتا ہے(یعنی سال بھر کے معاملات جو سارے کے سارے ہی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں،جس طرح انجام دینے اللہ کو منظور ہوتے ہیں،اس طریقے کو متعین کر کے ان کی اطلاع متعلقہ فرشتوں کو دے کر کے ان کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ چوں کہ وہ رات ایسی ہے،اور نزولِ قرآن سب سے زیادہ حکمت والا کام تھا،اس کے لیے بھی یہی رات منتخب کی گئی۔

(معارف القرآن:۷/۷۵۶-۷۵۵)

’لیلۃ مبارکۃ‘ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شبِ قدر ہے،جو رمضان المبارک میں ہے اور سورۂ قدر میں اس کی تصریح ہے۔(گلدستہ تفاسیر:۶/۷۰۴، درس ترمذی:۲/۱۸۱) معلوم ہوا کہ جمہور مفسرین کے نزدیک اس رات (جس کا مذکورہ آیتوں میں بیان ہوا)شبِ قدر ہی ہے،البتہ عکرمہؒ اور مفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے مراد، شب براءت، ہے، جیسا کہ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ سے معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ اس تفسیر پر اس آیت سے ماہِ شعبان کی پندرھویں رات کی خصوصیت سے بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

ان اقوال کی تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ یہاں نزولِ قرآنی سے مراد حقیقتاً نزولِ قرآنی نہیں بلکہ نزول کا فیصلہ مراد ہو کہ اس مبارک رات میں ہم نے قرآن کو نازل کرنے کا فیصلہ کر دیا تھا، پھر نزولِ حقیقی شبِ قدر میں ہوا۔ شبِ برأت میں امورِ محکمہ کے فیصلے ہوا کرتے ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ شبِ برأت میں اس کا بھی فیصلہ کیا گیا ہوگا، کیوں کہ قرآن شریف کے نازل کرنے سے بڑا امرِ محکم اور کون سا امر ہوسکتا ہے؟ یعنی شبِ برأت میں حکم ہوا کہ اس دفعہ رمضان میں جو شبِ قدر آئے گی اس میں قرآن نازل کیا جائے گا، پھر شبِ قدر میں اس کا وقوع ہو گیا، کیوں کہ عادۃً ہر فیصلے کے دو مرتبے ہوتے ہیں، ایک تجویز دوسرا انفاذ۔ یہاں بھی دو مرتبے ہو سکتے ہیں کہ تجویز تو شبِ براءت میں ہوئی اور نفاذ لیلۃ القدر میں ہوا۔(بیان القرآن:۱۰/۹۹، اشرف التفاسیر:۴/۳۰، ۲۸)

چاند کی تلاش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان کے لیے شعبان کے چاند کے دن گنتے رہو۔(ترمذی) اسی لیے ماہِ شعبان کی ۲۹/تاریخ کو غروبِ آفتاب کے وقت رمضان المبارک کا چاند دیکھنا یعنی دیکھنے کی کوشش کرنا اور مطلع پر تلاش کرنا ضروری ہے تاکہ شعبان کی ۲۹/تاریخ کو رمضان المبارک کا چاند نظر آجائے تو اگلے دن سے رمضان کا روزہ رکھا جاسکے،لیکن اگر اس دن چاند نظر نہ آئے جب کہ مطلع صاف ہو،۔۔۔(بقیہ صفحہ ۳۸ پر)

اصلاحی مضامین

شبِ براءت میں رحمتِ الٰہی سے محروم رہنے والے!

از: مفتی محمد صادق حسین قاسمی*

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو معاف کرنے اور عطا کرنے مختلف مواقع دیئے ہیں، جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائے گا۔ چناں چہ شبِ برات میں ان ہی عظیم مواقع میں سے ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں متوجہ ہوتی ہیں اور عفو و درگزر کا معاملہ کیا جاتا ہے، شبِ برأت کے بارے میں امت میں افراط وتفریط پایا جاتا ہے، کچھ لوگ سرے سے اس کی عظمت اور اہمیت ہی کا انکار کردیتے ہیں اور کچھ لوگ اس میں بہت سے خلافِ شریعت امور کو بھی انجام دینا ضروری سمجھتے ہیں، ان دونوں کے درمیان راہِ اعتدال یہ ہے کہ جو فضیلت اس کی بیان کی گئی اس کو تسلیم کیا جائے اور جتنی وارد ہوئی اسی قدر مانی جائے، اپنی جانب سے کمی بیشی کئے بغیر۔ شبِ برات سے متعلق بہت ساری حدیثوں کے پیشِ نظر علماء و محدثین نے اس کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور اس رات کی خصوصی حیثیت کو تسلیم کیا۔ چناں چہ علامہ مناویؒ نے حضرت ابن تیمیہؒ کا قول نقل فرمایا کہ: قال المجد ابن تیمیة لیلة نصف شعبان روی فی فضلها من الاخبار و الاثار مایقتضی لها مفضلة و من السلف من خصها بالصلاة ۔ (فتح القدیر: 2/317 بیروت) یعنی نصف شعبان کی رات کی فضیلت میں اتنی احادیث اور آثار مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا کہ اس کو فضیلت حاصل ہے اور بعض سلف نے اس رات کو نماز کے لیے خاص کیا ہے۔

عبد الرحمن مبارکپوریؒ نے لکھا ہے کہ: اعلم أنه قد ورد فی فضیلة لیلة النصف شعبان عدة أحادیث مجموعها یدل علی أن لها أصلا (تحفة الأحوذی: 3/441 دار الفکر) یعنی نصف شعبان کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہوئیں ان احادیث کا مجموعہ اس کی اصلیت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح علامہ عبید اللہ مبارک پوریؒ نے نصف شعبان سے متعلق مختلف احادیث کو نقل اور ان کی تشریح کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: وهذه الأحادیث کلها تدل علی عظیم خطر لیلة نصف شعبان و جلالة شأنها، و قدرها، و أنها لیست کاللیالی الأخر، فلا ینبغی أن یغفل عنها، بل یستحب احیاءها بالعبادة و الدعاء

* مدیر ماہنامہ ''الاصلاح''، کریم نگر

و الذکر و الفکر ۔(مرعاۃ شرح مشکوۃ :4 / 342 جامعہ سلفیہ بنارس) بہر حال ان تمام اقوال اور دلائل کی روشنی میں اتنی بات کو واضح ہو چکی ہے کہ شبِ برات کی مستقل عظمت و اہمیت ہے ،اور اس رات میں انسانوں کے ساتھ خصوصی معاملہ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کے فیصلے ہوتے ہیں اور دیگر امور طے پاتے ہیں ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رات کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک رات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو پریشان ہوئیں اور تلاش کرتے ہوئے مدینہ کے قبرستان جنت البقیع کی طرف نکل گئیں ، وہاں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شعبان کی درمیانی شب میں آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور بنو کلب (ایک قبیلہ جو عرب کے تمام قبائل میں سب سے زیادہ بکریاں پالتا تھا) کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے ۔ (ترمذی: حدیث نمبر 669) حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ میں اس کی مغفرت کردوں ، ہے کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو عطا کردوں ، اس وقت خدا سے جو مانگتا ہے اس کو ملتا ہے سوائے بدکار عورت اور مشرک کے ۔(فضائل الأوقات للبیھقی :۱۳۰ بیروت) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : شعبان کی درمیانی شب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سوائے کینہ پرور اور خودکشی کرنے والے کے تمام بندوں کو معاف کردیتے ہیں ۔ (مسند احمد: حدیث نمبر؛6463)

مذکورہ بالا احادیث میں اس رات میں جو خصوصی معاملہ رحمت اور معافی کا ہوتا ہے اس کو ذکر کیا گیا اسی طرح یہ بھی بتادیا کہ اس عظیم رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کون کون لوگ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے محروم رہیں گے ۔اس موقع پر ہم ایک نظر ان گناہوں پر ڈالتے ہیں جو اس عظیم رات میں بھی محرومی کا سبب بنتے ہیں ۔مختلف احادیث میں ذکر کئے گئے گناہوں کو یکجا کریں تو درج ذیل گناہ ہیں جن کے مرتکب افراد مغفرت اور معافی سے محروم رہتے ہیں ۔(1) اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ۔(2) کینہ رکھنے والا ۔(3) کسی انسان کا ناحق قتل کرنے والا ۔(4) بدکار عورت ۔(5) قطع رحمی کرنے والا ۔(6) تہبند، یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا ۔(7) والدین کا نافرمان ۔(8) شراب نوشی کی عادت رکھنے والا ۔ان تمام گناہوں کی جو مذمت قرآن وحدیث میں بیان کی گئی اس کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں :

شرک کرنے والا:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والا اس رات میں رحمت الٰہی سے دور رہتا ہے۔انسان کی زندگی کا سب سے بڑا گناہ شرک ہے،اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانا اور اس کی صفات میں کسی اور حصہ دار بنانا یہ انسان کی سب سے بڑی شقاوت اور بدبختی ہے اور ازلی محرومی کا ذریعہ ہے۔قرآن کریم میں فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ (سورۃ النساء) بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے،اور اس سے کمتر ہر گناہ کی جس کے لیے چاہتا ہے بخشش کر دیتا ہے۔اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے،وہ راہِ راست سے بہت دور جا گرتا ہے۔یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے توبہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کر سکتا ہے،لیکن شرک کی معافی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مشرک اپنے شرک سے سچی توبہ کر کے موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کرے اور توحید پر ایمان لے آئے۔(توضیح القرآن:1/297) قرآن کریم میں حضرت لقمان کی نصیحتوں کو ذکر کیا گیا جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو فرماتے ہیں کہ: يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (سورۂ لقمان) میرے بیٹے!اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔یقین جانو کہ شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے دس باتوں کی نصیحت فرمائی (جن میں سے ایک یہ ہے کہ) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا گو تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔(طبرانی: حدیث نمبر:16613) یقیناً شرک انتہائی بدترین گناہ اور جرم ہے،آج کل ہمارے معاشرہ میں شرک کے بہت سے دروازے کھلے ہوئے ہیں،اعتقادی بگاڑ اور توحیدی انحطاط بہت پھیلا ہوا ہے۔دنوں اور مہینوں کو منحوس سمجھنا،تاریخوں اور گھڑیوں کو نامبارک تصور کرنا عام ہو گیا،غیر اللہ پر یقین اور امیدیں وابستہ کرنا بھی پایا جا رہا ہے،یہ درحقیقت کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرت پر ایمان نہ ہونے کی علامت ہے اور اس کے تصرفات واختیارات مین کسی اور کو شریک بنانے کے مترادف ہے۔اس لیے اس موقع پر ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہیں ہم ذات و صفات میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو تو شریک نہیں کر رہے ہیں۔ہر خیر وشر،نفع ونقصان کا مالک اللہ ہے،اس کی اجازت کے بغیر دنیا میں کوئی چیز پیش نہیں آسکتی اس لیے ایمان کو مضبوط کرنا اور شرک کے تمام چور دروازوں کو بند کرنا انتہائی ضروری ہے ورنہ عملی بگاڑ اور اعتقادی کمزوری اس عظیم رات میں محرومی کا سبب نہ بن جائے۔

قتل ناحق کا مرتکب:

شبِ برأت میں رحمت الٰہی سے محروم رہنے افراد میں قتل ناحق کرنے والا مجرم بھی ہے۔شریعت کی نگاہ میں

کسی انسان کا قتل کرنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔اور بہت سخت انداز میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا، اور اللہ نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ النساء:۹۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: کسی مسلمان کو گالی دینا گناہ کا کام ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر؛47) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو! (جن میں سے ایک) کسی ایسے انسان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ نے حرمت بخشی ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر؛2573) بہت سی آیتیں اور احادیث قتل ناحق کی مذمت اور قباحت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ یقیناً یہ ایک خطرناک قسم کا گناہ اور جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو شبِ برأت میں معاف نہیں فرماتے جو انسانوں کے خون کے پیاسے ہوں۔ قتل کی گرم بازی آج کے ماحول میں چھائی ہوئی ہے اور لوگ انسانی جانوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں، مال و جائیداد، عہدہ و منصب اور عشق و محبت کے نشہ میں گرفتار ہو کر ایک دوسرے کو قتل کرنا اور خون بہانا آسان ہو گیا، دن دھاڑے خون ریزی اور قتل و غارت ہوش ربا واقعات آئے دن اخبارات میں پڑھنے کو ملتے ہیں۔اس سخت گناہ اور جرم سے معاشرہ کو پاک ہونا اور افراد کو بچانا ضروری ہے۔

قطع رحمی کرنے والا:

شبِ برأت کی عظیم رات میں وہ انسان بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہتا ہے جو قطع رحمی کرنے والا اور رشتوں کو توڑنے والا ہے، قرآن کریم میں قطع رحمی کرنے والوں پر لعنت بھیجی گئی اور ان لوگوں کو خسارہ اٹھانے والا شمار کیا گیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے کہ: وہ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پختہ کرنے کے بعد بھی توڑتے ہیں، اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، ایسے ہی لوگ بڑا خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ (البقرۃ:27) ایک جگہ فرمایا گیا: اور جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، ایسے لوگوں کے حصے میں لعنت آتی ہے، اور اصلی وطن میں برا انجام انہی کا ہے۔ (الرعد:۲۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: رحم (یعنی حقِ قرابت) مشتق ہے رحمن سے (یعنی خداوند رحمٰن کی رحمت کی ایک شاخ ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا، اور جو تجھے توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ (بخاری: حدیث نمبر؛5556) صلہ رحمی کرنے اور رشتوں کو جوڑنے کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے فوائد کو بیان کیا کہ: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کے

نشانات قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو (اہل قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔(بخاری: حدیث نمبر؛۵۱۹۳) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: رشتوں کو قطع کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔(بخاری:۵۵۵۲) اس کے علاوہ بھی ارشادات نبوی اور آیاتِ قرآنی ہیں جو اس کی اہمیت کو بیان کرتی ہیں کہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے،اور رشتے توڑنے سے بچا جائے۔اگر آج ہم معمولی معمولی باتوں اور بہانوں کی بنیاد ہر رشتے توڑیں گے اور رشتوں میں اختلاف پیدا کریں گے تو ایسے لوگ اس عظیم رات میں بخشش و معافی سے محروم رہیں گے۔اس لیے ضروری ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور بے بنیاد افواہوں کی وجہ سے تعلقات میں دراڑ آنے نہ دیں،ورنہ محرومی ہی محرومی ہاتھ آئے گی۔

والدین کا نافرمان:

شبِ برأت کی عظیم رات میں جو لوگ رحمت خدا سے محروم رہتے ہیں ان میں ایک والدین کا نافرمان بھی ہے،جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی اور ان کی اذیت کا سبب بنا وہ اس رات میں محروم رہے گا۔اللہ تعالیٰ نے بہت اہتمام کے ساتھ ماں باپ کے حقوق بتائیں ہیں،اور قرآن میں اکثر جہاں اپنی عبادت و بندگی کا حکم دیا وہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا معاملہ کرنے کی تعلیم دی۔دراصل والدین انسان کے لیے جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں،اولاد کے لیے ان کی اطاعت و فرماں برداری دین و دنیا کی سعادت کا سبب ہے۔قرآن کریم میں تاکید و اہتمام کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تلقین کی گئی۔حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ: اللہ تعالیٰ کو سب کاموں میں کون سا زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ۔(بخاری: حدیث نمبر ۴۹۸) ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! والدین کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت یا تیری جہنم ہیں۔(ابن ماجہ: حدیث نمبر؛3660) یعنی ان کی خدمت کر کے اور حسن سلوک کر کے جنت حاصل کی جاسکتی ہے اور اگر کوئی ان کی نافرمانی کرے گا تو جہنم میں داخل ہوگا۔نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: اللہ کی رضا مندی ماں باپ کی رضا مندی ہے،اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔(ترمذی: حدیث نمبر؛1817) نبی کریم ﷺ نے اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ: والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو،تمہاری اولاد اچھا سلوک کرے گی۔(المستدرک: حدیث نمبر؛7324)

بہر حال! یہ ایک مستقل عنوان ہے،اور اس باب میں قرآن کی بہت سی آیتیں اور بے شمار احادیث مروی

ہے اور بہت اہتمام کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے ماں باپ کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیمات دی ہیں، یہ بھی ایک تلخ سچائی ہے کہ آج ہمارے معاشرہ میں والدین کے ساتھ انتہائی برا سلوک کیا جارہا ہے، اور ان کے حقوق کو تلف کیا جارہا ہے۔ اولاد دن بہ دن ماں باپ کی نافرمان ہوتی جارہی ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کا معاملہ عام ہوتا جارہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قرب قیامت رونما ہونے والی جن نشانیوں کی پیشین گوئی فرمائی ہے ان میں یہ بھی ہے کہ: جب مرد اپنی بیوی کی فرماں برداری کرے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے اپنے دوست کو قریب کرے اور باپ کو دور کرے۔۔۔۔اس وقت سرخ آندھی، زلزلہ، زمین میں دھنس جانے، شکلیں بگڑ جانے، آسمان سے پتھر برسنے اور طرح طرح کے لگاتار عذابوں کا انتظار کرو، جس طرح بوسیدہ ہار کا دھاگہ ٹوٹ جانے سے موتیوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ (ترمذی: حدیث نمبر: 2140) اس لیے ضروری ہے کہ والدین کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی یا لاپرواہی ہونے نہ دیں ورنہ شبِ برأت کی عظیم رات میں والدین کا نافرمان خدا کی رحمت سے محروم رہے گا۔

کینہ پرور:

شبِ برأت میں محروم رحمت رہنے والوں میں سے ایک کینہ پرور بھی ہے جو دل میں کسی کی عداوت و دشمنی کو چھپائے رکھے، اور نفرت و غصہ کو دبائے رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جن لوگوں کے اندر تین بیماریاں نہ ہوں، ان میں سے جسے چاہتے ہیں اللہ معاف فرمادیتے ہیں: (جن میں سے ایک) اپنے مسلمان بھائی سے بغض اور کینہ دل میں نہ رکھتا ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: چغل خوری اور کینہ دوزخ میں لے جانے والی ہیں اور یہ کہ مسلمان کے دل میں یہ دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ (جہنم میں لے جانے والے اعمال: ۵۹۹) کینہ ایک سخت قسم کا گناہ ہے جو ایک طرف انسان کو دل ہی دل میں جلاتا اور تڑپاتا ہے اور دوسری طرف اس کی نیکیوں اور اجر وثواب کو ضائع کرتا ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ آج ہمارے دلوں میں بغض وحسد اور کینہ کی بھرمار ہے، ہم کسی کی ترقی اور شہرت، بلندی اور عزت کو دیکھ نہیں سکتے اور نفرت کی آگ میں جلنے لگتے ہیں۔ نتیجہ صرف کینہ پرور کی تباہی کا ہی ہے اور حاسد کی بربادی کا ہے باقی جس کے مقدر میں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے وہ اس کو پاکر اور حاصل کرکے رہے گا۔

شراب نوش:

شبِ برأت میں مغفرت الٰہی سے محروم رہنے والوں میں ایک شراب نوش بھی ہے۔ شراب تمام برائیوں کی

جڑ اور گناہوں کی بنیاد ہے ۔شراب نوشی دینی اور دنیوی ،روحانی اور جسمانی ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے ۔ قرآن کریم میں شراب نوشی کو شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے اور اس سے دور رہنے کا حکم دیا گیا۔(المائدۃ: ۹۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شراب سے بچو، بلاشبہ شراب برائیوں کی جڑ ہے،جس نے اس سے پرہیز نہ کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، اور خدا و رسول کی نافرمانی کے ذریعہ عذاب کا مستحق ہوگیا۔(مصنف عبدالرزاق:) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جو شخص دنیا میں شراب نوشی کرے گا اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مرے گا وہ آخرت میں شراب طہور نہ پی سکے گا۔(ترمذی: حدیث نمبر:1780)اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نشہ میں مست شخص جب تک نشہ میں رہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی نیکیاں اوپر پہنچتی ہیں۔(ترمذی) الغرض !شراب ہر اعتبار خرابیوں اور نقصانات کا مجموعہ ہے، دین دنیا سب کچھ اس سے تباہ ہوتے ہیں اور شراب ہی کے نتیجہ میں معاشرہ بدنام ہوتا ہے اور شرابی سارے معاشرہ کے لیے ذلت و رسوائی کا ذریعہ ہوتا ہے۔علاوہ ازیں شراب جسمانی لحاظ سے بھی حد سے زیادہ تباہ کن اور ہلاکت خیز ہے،شراب کی لعنت سے بچنا اور معاشرہ بالخصوص نوجوانوں کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔آج نشہ کی مختلف چیزیں آگئی ہیں اور نوجوان نشہ کے دلدادہ بن گئے ان کی نشہ بازی کی عادت یقیناً بربادی کا پیش خیمہ ہے،اس لیے اس ام الخبائث سے بچنا ازبس ضروری ہے اور پھر دوسری طرف معافی کی عظیم رات شبِ برأت میں شرابی رحمت الٰہی سے محروم بھی رہتا ہے۔

بدکار عورت:

شبِ برأت میں رحمت الٰہی سے محروم رہنے والوں میں ایک بدکار عورت بھی ہے جس نے اپنی عفت و عصمت کا سودا کیا ہوگا اور چادرِ عزت کو تار تار کیا ہوگا، زنا کاری اور فحش بازاری کے ذریعہ برائی میں مبتلا رہی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے عصمت و عفت کی حفاظت پر بیعت لی تھی۔ چناں چہ قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے :اور نہ وہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ افتراء باندھیں گی۔(الممتحنۃ:۱۲) جہاں مردوں کو حفاظت نظر وغیرہ کا حکم دیا گیا وہیں عورتوں کو بھی تعلیم دی گئی کہ: ایمان والیوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔(النور:۳۱) قرآن وحدیث میں عورتوں کو اس سلسلہ میں بہت سی تعلیمات دی گئیں ہیں کہ وہ کس طرح اپنے آپ کو شرم وحیا اور حفاظت کے ساتھ رکھیں اور کیسے اپنی نسوانیت کی حفاظت کریں۔ان تعلیمات پر عمل آوری کی صورت ہی میں عورت بدکاری اور گنہ گاری سے محفوظ رہ سکتیں ہیں ورنہ آج کے بے حیا ماحول اور خودغرض دنیا نے عورت کی تمام تر عفت وعصمت کو نیلام کردیا اور سامان عیش بنا کر رکھ دیا جس کے نتیجہ میں جہاں ماحول و معاشرہ پراگندہ ہوگیا وہیں عورت اپنی حیثیت اور عظمت بھی کھو بیٹھی۔اب

وہ عیش پرستوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی ہیں۔اس لیے پاکی اور پاکدامنی کی قرآنی تعلیمات پر عمل ہی انہیں قعر مذمت سے نکال سکتا ہے اور عظمت رفتہ بحال کرسکتا ہے، ورنہ اتنی عظیم رات میں وہ محروم رحمت رہے گی۔

کپڑا ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا:

شبِ برأت میں رحمت الٰہی سے محروم رہنے والوں میں ایک تہبند یا پائجامہ کو ٹخنوں سے نیچے پہننے والا بھی ہے۔اللہ ایسے بندے کو بھی معاف نہیں کرتا جو اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے۔اس سلسلہ میں سخت وعیدیں بھی احادیث میں آئی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹخنوں کا جو حصہ تہبند کے نیچے رہے گا وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔(بخاری: حدیث نمبر؛5367)ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے بات نہیں فرمائیں گے، جن میں اسے ایک اپنی شلوار تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔(ابوداؤد: حدیث نمبر؛3567)تہبند کا ٹخنوں سے اونچا ضروری ہے لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نماز میں تک اس طرف دھیان نہیں دیتے اور جرم عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں، اس لیے اس کا اہتمام ضروری ہے کہ نماز اور عام حالات میں شلوار وغیرہ اونچا پہننے کے عادی ہوں۔ورنہ شب برأت ان بدنصیبوں کے لیے بھی محرومی ہی کا سبب ہوتی ہے۔

آخری بات:

شب براءت میں جو لوگ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہتے ہیں، ان کا ہم نے مختصر تذکرہ کیا، ورنہ تو ان میں ہر ایک گناہ مستقل موضوع ہے اور تفصیل طلب عنوان۔۔۔عام طور پر ہم شب برات کا اہتمام کر لیتے ہیں اور وقتی طور پر بیانات اور خطابات بھی سن لیتے ہیں لیکن عملی طور پر جن چیزوں کا جائزہ لینا چاہیے اور کمیوں وکوتاہیوں کی تلافی کرنا چاہیے اس کی جانب بہت کم توجہ دیتے ہیں۔دراصل یہ بابرکت راتیں اور معافی وبخشش کے مواقع ہمیں محاسبۂ اعمال کی دعوت دیتے ہیں، ان میں اصل چیز یہی ہے کہ بداعمالیوں سے توبہ کی جائے اور رحمت پرودگار سے دامن کو بھرا جائے۔لیکن ہمارا معاشرہ شب برات کے موقع پر مختلف قسم کی بدعات وخرافات میں پھنسا ہوا ہے اور حقیقی پیغام ہی نگاہوں سے اوجھل ہے اسی کا نتیجہ ہے سالہا سال سے جن گناہوں کے عادی تھے اسی میں زندگی بسر ہو رہی ہے۔

لہذا اس رات کو اپنے لیے غنیمت جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کے حق دار بنیں اور لایعنی امور سے احتراز کریں۔اللہ پاک ہم سب ان سنگین جرائم سے توبہ کر لینے کی توفیق بخشے اور اپنی رحمتِ خاص ہم پر اُتارے۔آمین

اصلاحی مضامین

فتنوں کے دور میں کرنے کا ایک اہم کام!

(اپنے مَن میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی)

از: مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

یہ دور فتنوں کا دور ہے، ہر طرف سے مختلف قسم کے فتنوں کی یورش ہے؛ دینی، علمی، عملی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی ہر اعتبار سے اتنے فتنے ظاہر ہو چکے ہیں کہ عقل اب حیران ہے؛ گویا کہ ہر فتنہ ظلمات بعضھا فوق بعض کا مصداق ہے؛ جس کے نتیجہ میں اب آئے دن امت مسلمہ میں مختلف قسم کی برائیاں جنم لے رہی ہیں؛ بے حیائی، بداخلاقی، بداطواری، چوری، غیبت و بہتان طرازی، حرام خوری، جاہ و منزلت طلبی، مطلب و مفاد پرستی ڈاکہ، رشوت، کذب و خیانت، حرصِ دولت و ثروت، اور حرام کاری اتنی عام ہو چکی ہے کہ الأمان و الحفیظ! حق بات سننے اور ماننے کے لئے کوئی تیار ہی نہیں۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ انہی ایمان سوز فتنوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: دورِ حاضر کو سائنسی اور مادی اعتبار سے لاکھ ترقی یافتہ کہہ لیجیے؛ لیکن اخلاقی اقدار، روحانی بصیرت، ایمانی جوہر کی پامالی کے لحاظ سے یہ انسانیت کا بدترین دورِ انحطاط ہے۔ مکر و فریب، ظلم و دغا، شر و فساد، لہو و لعب، کفر و نفاق اور بے مروّتی و دنائت کا جو طوفان ہمارے گرد و پیش برپا ہے، اس نے سفینۂ انسانیت کے لیے سنگین خطرہ پیدا کر دیا ہے۔

(عصر حاضر حدیثِ نبوی کے آئینے میں، ص ۹)

تو اب سوال یہ ہے کہ ایسے پُرفتن دور میں ایک فکر مند مسلمان اپنے ایمان کی حفاظت کرے تو کیسے کرے؟ کیا فتنوں کے آگے بے بس ہو کر ایمان کا سودا کر بیٹھے؟ نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے پرفتن دور میں ایک اہم کام کرنے کی ترغیب دی ہے کہ ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے۔

پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم۔ ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی فکر کرو۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: جب

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

معاشرے میں بدعملی کا چلن عام ہوجائے تو اس وقت اصلاح کی طرف لوٹنے کا بھی بہترین نسخہ یہی ہے کہ ہر شخص دوسروں کے طرزِ عمل کو دیکھنے کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے، جب افراد میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہوگی تو چراغ سے چراغ جلے گا اور رفتہ رفتہ معاشرہ بھی اصلاح کی طرف لوٹے گا۔ (آسان ترجمۂ قرآن)

ایک " حدیث " میں ہے: إذا رأيتَ شُحًّا مُطاعًا، وهَوًى مُتَّبَعًا، ودُنْيا مُؤْثَرَةً، وإعجابَ كلِّ ذِي رأيٍ برأيِه، فعليكَ بخاصةِ نفسِكَ، ودَعْ عنكَ أَمْرَ العوَامّ. (سنن الترمذی: ۳۰۵۸) ترجمہ: جب تم دیکھو کہ لوگ مال کی محبت کے پیچھے چلنے لگے، اور خواہشاتِ نفس کی اتباع کرنے لگے، دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جانے لگے، اور ہر شخص اپنے رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہوجائے تو اس وقت اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ۔

سب سے بڑا المیہ

لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہر کسی کو دوسروں کی اصلاح، دوسروں پر تنقید، اوروں کے عیب ونقائص کی فکر ہے، دوسروں کی خرابیوں اور برائیوں پر گہری نظر ہے؛ لیکن اپنی کوتاہیوں اور خرابیوں کا احساس تک نہیں، وہ اصلاح کا خود سے نہیں؛ بلکہ معاشرے سے اس کا آغاز چاہتے ہیں، دوسروں کے عیوب بیان کرتے کرتے راتیں کٹ جاتی ہیں؛ مگر خود کی اصلاح کے لئے وقت ہی نہیں، اگرچہ خود میں ہزاروں عیوب ہی سہی! ؎

مصحفیؔ ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

اور ایک حدیث میں ہے: إذا سمعت الرجل يقول: هلك الناس فهو اهلكهم۔ (صحیح مسلم)
جب تم کسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ لوگ ہلاک ہوگئے تو سمجھ لو کہ وہی سب سے زیادہ ہلاک ہے۔ اب ہر کسی کو دوسروں کی ذمہ داریوں کا تو احساس ہے لیکن اپنی ذمہ داریوں سے بے فکر! انہیں اپنے حقوق تو یاد رہتے ہیں لیکن ان کے ذمہ معاشرے کے کتنے اور کیا کیا حقوق ہیں؟ ان سے سبک دوش رہنا چاہتے ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک شخص کے یزید پر لعنت کرنے کے جواز وعدمِ جواز کے متعلق دریافت کرنے پر فرمایا کہ اس شخص کے لئے جائز ہے جسے یقین ہو کہ یزید سے بہتر ہو کر مرے گا، سائل نے کہا: یہ مرنے سے پہلے کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا: بس! پھر مرنے کے بعد جائز ہوگا۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ سے کسی نے پوچھا: یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا: یزید سے پہلے اپنی مغفرت کی فکر کرو۔

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ہر آدمی کو اپنی ذمہ داریوں اور اپنی اصلاح کا اگر احساس ہوجائے، اپنے حقوق کی

ادائیگی کے تئیں شعور بیدار ہو جائے، ملک وملت کے فرزند ہونے کی حیثیت سے اپنی انفرادی وملی ذمہ داریوں کی فکر ہونے لگے، انسان دوسروں کی اصلاح کے نعروں کے بجائے اپنی کوتاہیوں کی اصلاح اور درستگی کی فکر کرنے لگے، اور ملک وملت سے اپنے حقوق مانگنے اور وصول کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں حقوق دینے کی سعی کرنے لگے، تو ہمارے معاشرے کے آدھے سے زیادہ مسائل اسی سے حل ہو جائیں گے، اور معاشرہ کی اصلاح ہو جائے گی، ورنہ ہم قوموں کی دوڑتی ہوئی زندگی میں بہ حیثیت ملک وملت کوئی بلند مقام حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

(بقیہ صفحہ: ۲۷ سے)

تو صبح کو روزہ نہیں رکھا جائے گا۔ ہاں اگر مطلع پر ابر یا غبار تھا تو اگلے روز صبح کو دس گیارہ بجے تک کچھ کھانا۔ پینا نہیں چاہیے اور اگر تب تک کہیں سے چاند نظر آنے کی خبر معتبر طریقے سے آ جائے تو روزہ کی نیت کر لی جائے، ورنہ کھا پی سکتے ہیں۔ لیکن ۲۹ رشعبان کو چاند نظر نہ آنے کی صورت میں اگلی صبح کے روزہ کی اس طرح نیت کرنا کہ چاند ہو گیا تو رمضان کا روزہ ورنہ نفل، یہ طریقہ مکروہ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: چاند دیکھ کر روزے رکھنے کا آغاز کرو اور چاند دیکھ کر روزے رکھنا موقوف کرو، پھر اگر مطلع ابر آلود ہو اور چاند نظر نہ آئے، تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔ (نسائی)

اللہ تعالیٰ ہمیں ماہِ شعبان کے برکات وفضائل کے حصول اور شبِ براءت میں عبادت کر کے بہتر فیصلے کروا لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اصلاحی مضامین

عورت، سماج اور اسلام

مولانا محمد ابراہیم خلیل سبیلی*

اسلام صرف چند عبادات کے مجموعے کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ حیات انسانی کے تمام پہلوؤں پر حاوی اور جامعیت کے لحاظ سے منشاء الٰہی کے مطابق پاکیزہ زندگی گزارنے کا مکمل نظام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عورت کی فطری نزاکت اور لطافت پر نظر کرتے ہوئے اس کے ہر معاملہ میں نہایت متوازن پہلو اختیار کیا ہے۔ اور اس کے لئے وہ فرائض متعین کر دئے گئے ہیں جو اس کے وجود کے عین مطابق ہیں۔ دراصل جاہل قوموں نے مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا ہے۔ بلکہ ان لوگوں نے تو خود مرد مرد کے درمیان فرق و امتیاز کی دیوار کھڑی کر دی ہے۔ دنیا کے سرد علاقہ کے باشندوں کو سفید فام اور مشرقی و مغربی ممالک کے باشندوں کو سیاہ فام قرار دے کر کالوں کو گوروں کا غلام اور کم درجہ کی مخلوق بنا دیا۔ حالاں کہ اسلام نے عورت کو مرد کی طرح عزت دی، اس کے کارناموں کو سراہا اور زندگی کی نعمتوں اور ضرورتوں کے سلسلہ میں عورت کو مرد کے برابر رکھا۔ باپ کو حکم دیا کہ وہ اپنے لڑکے اور لڑکی کا برابر خیال رکھے، بلکہ لڑکیوں پر توجہ اور محبت کا ثواب لڑکوں کے مقابلہ میں زیادہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو دو لڑکیوں کی اچھی طرح کفالت کرے میں اور وہ جنت میں قریب قریب ہوں گے۔"

اسلام نے عورت کو جو مقام و مرتبہ دیا ہے اور عورتوں کی زندگی میں جو انقلاب عظیم برپا کیا ہے، اس سے تمام دنیوی مذاہب اور اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ دنیا کے مختلف مذاہب اور قوانین کا مقابلہ اگر اسلام کے اس منفرد کردار سے کیا جائے جو اسلام نے عورت کو عطا کیا ہے تو اس سے تمام مذاہب کی آنکھیں کھل جائیں گی اور ایک حقیقت پسند انسان کو اس کے اعتراف و احترام میں سر جھکانا پڑے گا۔ قرآن مجید پر ایک سرسری نظر ڈالنا بھی جاہلی نقطہ نظر اور اسلامی زاویہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

اسلام نے عورتوں کو انسان ہونے کی حیثیت سے وہ تمام حقوق دیے ہیں جو ایک مرد کو حاصل ہیں۔ قرآن اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ عورت کا وجود کسی اور روح کے سہارے موجود ہے جو مردوں سے کمتر ہے: اے لوگو! ڈرو اپنے اس رب سے جس نے تم سب (مرد اور عورت) کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا۔ (سورہ نساء۔۱) ایمان

والے مرد اور عورتوں کو شرف انسانی کی اعلیٰ ترین منزل پر پہنچنے کا ذریعہ، جنس و نسل اور خون و رنگ سے قطع نظر ہو کر صرف اعمال صالحہ کو قرار دیتے ہوئے فرمایا: ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ (سورہ توبہ) قبول اعمال اور نجات و کامیابی کے بیان میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر بھی کیا ہے: جو کوئی اچھا کام کرے، چاہے مرد ہو یا عورت اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔ (سورہ نساء۔ ۱۴۴) اسلام سے پہلے لوگ بیواؤں کی جائیداد پر قبضہ جما لیتے اور حق تصرف سے ان کو محروم کر دیتے تھے اسلام نے اس کی سخت مذمت کی: اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں کہ عورتوں کو زبردستی میراث بنالو۔ (سورہ نساء۔ ۱۹) مہر جو شوہر پر عورت کا ایک حق ہے، اس پر اس کو مکمل مختار بنایا: تم بہت سا مال (اپنی بیوی کو بطور مہر یا تحفہ کے) دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ (سورہ نساء۔ ۲۰) ہاں عورت اگر اس مہر میں سے کچھ یا پورا دیدے تب مرد اس کو استعمال کر سکتا ہے اگر وہ (عورتیں) اس (مہر) میں سے تمہیں بخوشی کچھ دیدیں تو اسے شوق سے کھاؤ۔ (سورہ نساء۔ ۴) شادی کے بعد شوہر کی جانب سے ہونے والی زیادتیوں سے عورت کچھ مال دے کر چھٹکارا (خلع) حاصل کر سکتی ہے: دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت کچھ مال دے کر اپنے (شوہر) سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ (سورہ بقرہ۔ ۲۲۹) مردوں کی طرح عورتوں کو بھی وراثت میں حق دیا: ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔ (سورۂ نساء۔ ۱۱) عورت کو جان کا تحفظ بھی دیا: لہذا فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک عورت کے بدلے ایک مرد قتل کیا جائے گا اور ایک مرد کے بدلے ایک ہی عورت قتل کی جائے گی۔ اسی طرح بہت سارے حقوق مثلاً خرید و فروخت کی اجازت، نان و نفقہ اور رہائش کا انتظام، اقرباء سے ملنے کا حکم اور ان کے علاوہ دیگر حقوق کی تفصیلات فقہی کتابوں میں مذکور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آزادی نسواں کا پرفریب نعرہ سب سے پہلے مغربی ممالک نے لگایا، پھر آزادی کے نام پر سب سے زیادہ عورتوں کا استحصال انہیں ممالک نے کیا، آزادی کے نام پر عورت کے سر سے ڈوپٹہ اتارا گیا۔ عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا، اس کے چہرے سے نقاب اور جسم سے کپڑے ہٹائے گئے، دفتروں میں کلرک کی نوکری دی گئی، اجنبی مردوں کا پرائیویٹ سکریٹری کا منصب عطا کیا گیا، سینکڑوں آدمیوں کی حکم برداری کے لئے ایر ہوسٹس کا عہدہ سپرد کیا گیا۔ تجارت چمکانے کے لئے سیلز گرل کا شرف بخشا گیا۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں اور بڑے بڑے ریستوراں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے اور چادریں بدلنے کا موقع دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ عورت جس کے سر پر دین فطرت نے عزت و آبرو کا تاج رکھا تھا، اس کی برہنہ اور نیم برہنہ تصاویر حاصل

کر کے اسے آرٹ کا نام دیا گیا۔ اور اس کے ذریعہ جرائد ورسائل اور اپنے کاروبار کے فروغ کا سامان کیا گیا۔ یہ بڑا عجیب فلسفہ ہے کہ عورت اگر اپنے گھر میں، اپنے شوہر، اپنے ماں باپ اور اولاد کے لئے امور خانہ داری کرے، ان کے لئے کھانا بنائے، کپڑے دھوئے اور ان کی خاطر داری کرے تو یہ قید و ذلت اور حقوق کی پامالی ہے۔ لیکن وہی عورت اجنبی کے لئے کھانا بنائے، ان کے کمروں کی صفائی کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں ان کی میزبانی کرے اور شوروموں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے تو یہ آزادی اور اعزاز ہے۔

اسلام نے عورت اور مرد کے لئے جو ضابطہ حیات اور قانون زندگی متعین کیا ہے وہ پوری معاشرت اور نظام زندگی میں اساس کی حیثیت رکھتا ہے، اسلام کی اس حکیمانہ ہدایت میں ادنیٰ درجہ کی کمی یا زیادتی کرنا افراط و تفریط کا شکار ہونا ہے۔ لیکن ہماری ترقی یافتہ تہذیب آج آزادی نسواں، مساوات مرد وزن کا نعرہ لگا رہی ہے اور اس کو صنف نازک کے حق میں بہت بڑا احسان بتایا جارہا ہے حالانکہ اس فیصلہ کا اختیار خود خالق کے سوا کسی اور کو نہیں ہونا چاہئے۔ اس معاملہ میں افراط تفریط سے خالی اگر کوئی راہ مل سکتی ہے تو وہ اسلام کی رہنمائی سے ہی مل سکتی ہے، اسلام سے قطع نظر کر کے اس باب میں جب بھی کوئی فیصلہ کیا جائے گا وہ فطرت کے ساتھ بغاوت پر مبنی ہوگا۔ یہی وجہ ہیکہ قرآن وحدیث میں اس مسئلہ کو خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے اور بعض جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں مسئلہ کی جزئیات تک متعین کر دی گئی ہیں تاکہ یہ مسئلہ صرف انسانی قیاسات اور اجتہادات کے رحم و کرم پر نہ رہے، بلکہ انسان کے پاس وحی الٰہی کی مکمل روشنی موجود ہو۔

دنیا کے بہت سارے گوشوں سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اسلام تو مساوات اور برابری کا مذہب ہے تو پھر مرد اور عورت کے مابین اس طرح کی غیر منصفانہ تقسیم کیوں کرتا ہے؟ دراصل یہ ایک مغالطہ ہے یہ سچ ہے کہ اسلام فطرت سے ہم آہنگ اور مساوات و برابری کا مذہب ہے لیکن اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان مساوات کا معیار ہی کچھ اور ہے۔ دیگر مذاہب مساوات کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ سارے انسانوں کے حقوق برابر اور یکساں ہوں۔ اور اسلام میں مساوات یہ ہیکہ جن کا جو حق ہے وہ اس کو مل جائے۔ جیسے اسلامی قانون کے مطابق شادی شدہ کے لئے زنا کی سزا سنگسار ہے اور غیر شادی شدہ کے لئے صرف سو کوڑے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی جرم میں دو طرح کی سزائیں یکساں نہیں ہیں اور کسی طرح بھی اسے مساوات نہیں کہا جا سکتا لیکن دراصل سزا جرم کے سنگین وغیر سنگین ہونے کے اعتبار سے کم وبیش ہے۔ اس اعتبار سے دونوں کو ایک ہی سزا دینا عدل و انصاف کے مغائر ہے، شادی شدہ کو اپنے سنگین جرم کے اعتبار سے سزا ضروری ہے اور غیر شادی شدہ کو اپنے اقل جرم کے اعتبار سے ضروری ہے، اسی طرح اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان حقوق میں فرق مراتب رکھا ہے۔

مغربی دانشوران اور ماہرین کو مرد وعورت کے درمیان مساوات کے لئے اس کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ملی کہ یہ دونوں ہی انسان ہیں اور انسان ہونے کے ناتے ان کے حقوق وفرائض اور ان کے دائرۂ عمل کو بھی یکساں ہونا چاہئے۔لیکن یہ عقل کے بھی خلاف ہے اور اسلام کے بھی۔ کیونکہ انسان وہ بچہ بھی ہے جس کا شعور ابھی بالغ نہیں ہوا، اور جس کا جسم مردانہ توانائی سے یکسر محروم ہے انسان وہ بوڑھا بھی ہے جس کی ہڈیوں کا مغز خشک ہو چکا ہے اور بوڑھاپے کی وجہ سے اس کا ایک ایک عضو ڈھیلا ہو گیا ہے اور انسان وہ جوان بھی ہے جس کا فہم وشعور بالغ ہو چکا ہے اور جس کی قوت کارا پنے شباب پر ہے۔تو کیا انسان ہونے کے ناتے اشتراکیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان تینوں کے حقوق وفرائض یکساں ہوں؟ اور ان کی ذمہ داریوں میں کوئی فرق اور ادنیٰ تفاوت بھی روا نہ رکھا جائے؟ ایک کمسن لڑکے، بوڑھے اور ایک جوان کی صلاحیتوں میں جو فرق ہے اس سے کہیں زیادہ تفاوت اور فرق قدرت نے مرد اور عورت کے درمیان تخلیقی اعتبار سے رکھا ہے۔

اسلام کا اصول دراصل انسانی فطرت کا عین تقاضا ہے۔لیکن ترقی یافتہ تہذیب کی کوتاہ نظری اور نا اندیشی ایک بار پھر اس چیز کا تجربہ کرنا چاہتی ہے جسے اسلام نے رد کر دیا ہے۔اگر بالفرض یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ آزادی نسواں سے خواتین اونچے مناصب پر فائز ہو جائیں گی تو جن مغربی ممالک میں صبح وشام آزادی نسواں کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے وہاں کتنی عورتیں صدر بننے کے لئے منتخب ہوئیں اور کتنی عورتیں اقوام متحدہ کی سکریٹری یا صدر کا عہدہ وسنبھالی ہیں؟ اور کتنی عورتیں فرانس و برطانیہ کی چیف کمانڈو بنی ہیں؟ ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ ہزار مساعی کے باوجود خود مغربی ممالک میں عورتیں وہ مقام حاصل نہ کرسکیں جو مردوں کو حاصل ہے۔ بہر کیف حقوق نسواں کے نام پر سماج کے سامنے تصویر کا صرف ایک ہی رخ لایا گیا، اور دوسرے پہلوؤں پر عورتوں کو سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔حقوق نسواں کا نعرہ لگانے والوں اور اس کا ساتھ دینے والوں کو چاہئے کہ وہ آزادی نسواں کے ہر پہلو پر غور کر لیں اور دیکھیں کہ مغربی ممالک میں آزادی کے بعد عورتوں کا کیا حال ہوا ہے؟ ان کی عزتیں اور عفتیں کس حد تک محفوظ ہیں؟ انہیں اپنے ہی سماج میں کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے؟ جب وہ جنسی استحصال کا شکار ہوتی ہیں تو ان کی حفاظت کے لئے کون آگے آتا ہے؟ اگر آزادیٔ نسواں فطرت کے خلاف نہ ہوتا تو آج مغرب کی فریب خوردہ عورتیں اس جنجال سے کیوں نکلنا چاہتی ہیں؟ باہر کی دنیا سے انہیں کیوں خوف محسوس ہونے لگا ہے؟ اخبار وجرائد کے مطالعہ سے تو پتہ چلتا ہے کہ اب وہاں کی خواتین کو آزادی اور مغربی زندگی کے بجائے مشرقی زندگی اچھی لگ رہی ہے اور وہ آزادی اور باہر کی دنیا کو الوداع کہہ کر ایک بار پھر سے گھریلو زندگی اور اندر کی دنیا آباد کرنا چاہتی ہیں۔

اصلاحی مضامین

بیماریوں کا علاج صدقے سے کرو

از: مولانا عبدالعزیز قاسمی*

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو اس لئے کہ بلا صدقہ کو پھاند کر نہیں آسکتی، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے، یعنی اگر کوئی بلا، مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو وہ صدقے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے صدقہ برائی کے ستر دروازوں کو بند کر دیتا ہے، ایک حدیث میں آیا ہے، زکوٰۃ ادا کر کے اپنے مالوں کو پاک کرو اور بیماروں کا علاج صدقے سے کیا کرو اور مصیبتوں کی موجوں کا دعا سے استقبال کرو۔ (فضائل صدقات: ص، ۶۵-۶۶)

اس طرح کی بے شمار حدیثیں صدقہ خیرات کرنے کے بارے میں آئی ہیں، اور صدقہ کرنے کے لئے کوئی مخصوص چیز یا متعین چیز کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے، وقت پر جو چیز میسر ہو وہ غریبوں، محتاجوں تک پہونچا دی جائے یا دینی مدارس جہاں غریب بچے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، وہاں پہونچا دے؛ البتہ ضرورت مند کی ضرورت کا اگر خیال کر کے صدقہ خیرات کیا جائے تو اور بہتر ہے، مثلاً کسی کے پاس کپڑے نہیں ہیں آپ نے کپڑے سلوا دیئے، یا کھانے پینے کی اشیاء کی ضرورت تھی آپ نے راشن بھیج دیا، دوا علاج کے لئے پیسوں کی ضرورت تھی آپ نے پیسے دے دیئے، غرض غریب کی جیسی حاجت تھی ویسی آپ نے پوری کر دی یہ حاجت پوری کرنا مصیبتوں اور بلاؤں سے نجات کا سبب بنے گا، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے آپ کی مصیبتوں اور پریشانیوں کو دور کر دیں گے۔

البتہ صدقے کے سلسلے میں لوگ ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں جس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو گیا تو اس کے صدقے کے لئے صرف بکرا ہی تجویز کیا جاتا ہے، یعنی اگر بیمار شخص کی طرف سے بکرا صدقہ کر دیا جائے تو بیمار کو شفا مل جائے گی اور اس کا نام ''جان کا بدلہ جان'' رکھا ہے، اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس بیمار کی بیماری اس بکرے کے اندر منتقل ہو جائے

* مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم اننت پور

گی ،بعض لوگوں کو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس ارادے سے بکرے پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور اس کی دُم پکڑتے ہیں ، یہ عقیدہ رکھنا بالکل غلط ہے، ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہیئے ، بیماری میں جو چیز بھی صدقے کے طور پر دیں گے اس سے انشاء اللہ شفا ملے گی ،اس لئے بہتر یہ ہے کہ بکرا خرید کر دینے کے بجائے بکرے کا گوشت خرید کر غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے ، ہاں! اگر کوئی شخص بغیر اس طرح کی نیت اور عقیدہ کے، صرف ثواب کی نیت سے خرید کر مدرسہ کو یا غریبوں میں گوشت تقسیم کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اسی سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب مدظلہٗ (مفتیٔ مدرسہ شاہی مرادآباد) کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک شخص کا لڑکا بیمار ہے،اس کی شفایابی کے لئے وہ بکرا ذبح کر کے صدقہ کرنا چاہتا ہے تو اس مقصد سے جو بکرا ذبح کیا جائے گا وہ حلال ہو گیا یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ جانور کو ذبح کرنے سے اگر عقیدہ یہ ہے کہ بکرے کی جان لینے سے مریض کی جان بچ جائے گی تو یہ عقیدہ قطعاً فاسد ہے،اور اس عقیدہ سے ذبح شدہ جانور بھی ممنوع اور ناجائز کہا گیا ہے، لیکن اگر جانور کو ذبح کرنے سے اصل مقصود صدقہ ہو اور جان کے بدلے جان کا عقیدہ نہ ہو تو بہ نیت صدقہ یہ ذبیحہ حلال ہے۔(کتاب النوازل:۳۷۸/۱۷)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت کے مطابق صدقہ خیرات کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

(بقیہ صفحہ:۴۹ سے)

خلاصۂ تحریر:

زندگی اللہ کی عظیم نعمت ہے،اور زندگیوں میں سرور وشادمانی،خوشی اور آسودگی تب ہی میسر آسکتی ہے؛ جب کہ مکمل اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو،اور دینی تعلیم کو زندگیوں میں رواج دیا جائے، آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کی جائے ،اپنے مزاج سے آگے بڑھ کر دوسروں کے مزاج اور طبیعت کا خیال رکھا جائے، اور کوشش کریں کہ ہماری وجہ سے کسی کو ادنی سی بھی اذیت اور تکلیف نہ ہو،اگر کسی کو سکھ نہیں دے سکتے تو دکھ بھی نہ دیں اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے ،اور خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں کہ پروردگارِ عالم گھروں میں خوشی ومسرت اور سکون واطمینان کا ماحول پیدا فرمائے،نفرت اور دوریاں اور خانگی جھگڑوں کو جڑوں سے ختم فرمائیں اور اپنی رضا نصیب فرمائیں۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اصلاحی مضامین

اسلامی معاشرت اور ہماری حالتِ زار

ازقلم: حافظ محمد عمر سلمہٗ کاماریڈی*

اسلام کی پرشکوہ عمارت جن اصول اور بنیادوں پر قائم ہے انہی میں سے ایک اہم "معاشرت" بھی ہے، شریعتِ مطہرہ نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے؛ کیوں کہ یہ حقوق العباد کی قبیل سے ہے، اور معاشرت دراصل "اجتماعی زندگی میں رشتے داروں کے درمیان اعتدال اور توازن کو برقرار رکھنے، اور ہر ایک طبیعت اور مزاج کی رعایت کرنے، اور ہر ایک سے نباہ کر لینے" کا نام ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر اپنی پاکیزہ اور روشن تعلیمات سے جینے کا سلیقہ سکھایا؛ لیکن آج ہماری جو صورت حال ہے وہ انتہائی ناگفتہ بہ ہے، کہ آج کل ہر کوئی مارے رنج وغم کے ہائے ہائے کر رہا ہے، اور ہر شخص پریشان حال اور کبیدہ خاطر نظر آرہا ہے، ہر طرف ٹینشن ہی ٹینشن ہے، نہ گھر میں سکون ہے نہ باہر قرار، نہ بیوی بچے خوش ہیں اور نہ ماں باپ راضی، ان سب کی بنیادی وجہ معاشرتی حقوق سے ناواقفیت اور اسلامی تعلیمات سے دوری ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ہر روز طلاق اور خلع کے مسائل پیش آرہے ہیں، لڑائی جھگڑوں کے کیسس بھی اپنا رکارڈ قائم کر رہے ہیں، ایک طرف شوہر، بیوی کے حقوق سے انجان ہے تو وہیں بیوی شوہر کی ذمہ داریوں سے بالکل نابلد ہے، ماں باپ اولاد کی تربیت کے فرائض سے بے خبر ہے تو اسی کے ساتھ ساتھ اولاد بھی ماں باپ کے آدابِ تعظیمی اور حقوقِ لازمی سے ناواقف ہے؛ اور اسی وجہ سے آج نہ بڑوں کا کوئی ادب ہے نہ چھوٹوں پر شفقت؛ حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ اپنے حقوق سے آگے بڑھ کر دوسروں کے حقوق کی رعایت کی جائے اور ہر ایک سے ادب واحترام سے پیش آئیں۔ ع

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

معاشرت کی اہمیت کتاب وسنت کی روشنی میں

زندگی میں پیار ومحبت، اور گھروں میں چین وسکون کی فضا قائم ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور اس کے حصول کے لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاشرتی حقوق سے واقفیت اور ان کی رعایت بے حد ضروری

* متعلم دعوہ اسلامک اکیڈمی، حیدرآباد

ہے؛ اسی وجہ سے کتاب وسنت میں جا بجا معاشرتی حقوق کا درس دیا گیا ہے؛ چناں چہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا (النور:۲۷) اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو، جب تک اجازت نہ لے لو۔

اور اسی طرح ایک آیت میں فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا (المجادلہ:۱۱) اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں گنجائش پیدا کرو تو گنجائش پیدا کیا کرو، اللہ بھی تمہارے لئے کشادگی پیدا فرمادیں گے اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کر کھڑے ہوجایا کرو۔

ان آیات میں ایک دوسرے کی رعایت کرنے اور ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنے کا درس دیا گیا ہے، اور اسی طرح بے شمار احادیثِ نبویہ میں بھی مختلف پیرائیوں سے معاشرتی حقوق کی تعلیم دی گئی ہے؛ چناں چہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک ساتھ کھانے کے وقت دو چھوارے ایک ساتھ نہ لینا چاہیے؛ تا آں کہ اپنے رفیقوں سے اجازت نہ لے لے۔ (بخاری:۲۴۸۹)

ایک اور حدیث میں ہے کہ مہمان کے لئے حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اس قدر قیام کرے کہ وہ تنگ ہوجائے۔ (الادب المفرد:۷۳۳)

اور اسی طرح جو لوگ مریض کی عیادت اور تیمارداری کے لیے جائیں تو ان کے لیے ہدایت دی گئی ہے کہ وہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھیں؛ تاکہ اس پر گرانی اور بوجھ نہ ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

ذرا غور کریں کہ ان احادیث میں ایک نہایت خفیف امر کہ جس سے دوسروں کو ناگواری ہوگی، دوسروں کے دل پر تنگی ہوگی اس سے بھی ممانعت کردی گئی۔

ایک مرتبہ حضرت جابرؓ درِ دولت پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناگواری سے فرمایا: "میں ہوں میں ہوں"، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بات بالکل صاف کہے کہ جس کو دوسرا سمجھ سکے، ایسی گول مول بات کہنا جسے سمجھنے والا تکلیف میں پڑ جائے، اور الجھن کا شکار ہوجائے، یہ بالکل مناسب نہیں۔

اور خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر بھی اس کا نمونہ پیش کیا؛ جیسا کہ آپ کے بارے میں منقول ہے کہ "لا یوقظ النائم و یسمع الیقظان" جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو اتنا آہستہ سلام کرتے کہ جو جاگ رہے ہوتے وہ سن لیتے اور جو سو رہے ہیں ان کی نیند میں خلل نہ ہوتا۔ (مسلم:۲۰۵۵)

اورصحابہ کرامؓ بھی اس کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے؛ چناں چہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے تو جو شخص جس جگہ پہنچ جاتا وہاں ہی بیٹھ جاتا (سنن کبریٰ للبیھقی: ۵۸۹۰)

یعنی لوگوں کو چیرتا پھلانگتا ہوا آگے نہیں بڑھتا کہ ان کو تکلیف نہ ہوجائے؛ لیکن آج ہمارا جو حال ہے وہ ناقابل بیان ہے، ایسا لگتا ہے کہ ہمیں معاشرت سے کوئی سروکار ہی نہیں؛ جیسا کہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ”اس زمانے میں یہ غلطی عام ہے کہ جو دین دار لوگ ہیں وہ عقائد اور نماز روزہ اور وضع قطع لباس کا تو ضرور اہتمام کرتے ہیں؛ مگر اخلاق و معاشرت اکثر لوگوں کی نہایت گندی ہے، آخر معاشرت کی درستگی بھی تو دین کا شعبہ ہے؛ مگر اکثر مشائخ کے یہاں اس کی توجہ نہیں، اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں کہ اللہ کی نافرمانی کا گناہ اتنا برا نہیں (جتنا برا اخلاق و معاشرت کا گناہ ہوتا ہے) ایسے فعل سے بہت بچنا چاہیے، جس سے دوسروں کو ضرر ہو، لوگ نوافل اور وظائف کا اہتمام تو کرتے ہیں؛ مگر اس کا اہتمام نہیں کرتے کہ دوسروں کو ضرر نہ پہنچے، اور گرانی نہ ہو، اس کو ہلکی بات سمجھتے ہیں؛ حالانکہ بہت بڑی بات ہے“۔ (حسن العزیز)

اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کی ہے اور ہر ایک کے علاحدہ علاحدہ حقوق بتائے ہیں؛ چنانچہ شوہروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو اپنے دل ودماغ کی تہہ میں اچھی طرح اتاریں: ”سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں، اور میں تم میں اپنی گھر والیوں کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہوں“ (ترمذی: کتاب المناقب: ۳۸۹۵)

اور بیویوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آئیں اس کا بڑا مقام ہے؛ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو یہ حکم کرتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو سجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔" اس حدیث سے بھی شوہر کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اولاد پر لازم وضروری ہے کہ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو ذہن نشین کرلیں: کہ ایک شخص نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! والدین کا اولاد کے ذمہ کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ تیری جنت یا دوزخ ہیں، (یعنی ان کی خدمت کروگے تو جنت میں جاؤ گے، ان نافرمانی کروگے تو دوزخ میں جاؤ گے)

(مظاہرِ حق: ۴/ ۴۸۶)

والدین پر فرض ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے بالکل صرف نظر نہ کریں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ما نحل والد ولدہ نحلا أفضل من أدبٍ حسن“ ایک باپ کا اپنے بیٹے پر ادب سکھانے سے بڑھ کر اور کوئی افضل تحفہ نہیں دیا۔ (جامع ترمذی: ۱۹۵۲)

ہماری حالت زار

لیکن ہماری جو صورت حال ہے وہ محتاجِ بیان نہیں؛ چنانچہ دین سے دور لوگوں کا تو کہنا ہی کیا! دین دار لوگ بھی اسی میں گرفتار ہیں، آج کل تو بس ہر گھر حق تلفی کی آگ میں جھلس رہا ہے، ہر بہن بیٹی کی یہی فریاد ہے، ہر شخص کی زبان ایک دوسرے کا شکوہ کررہی ہے، ماؤں کے آنسو ادائیگیِ حقوق کا مطالبہ کررہے ہیں؛ نوبت بایں جا رسید کہ بہن بیٹیوں کی خوشگوار زندگیاں اجڑنے کی عبرت ناک داستانیں اخبارات کی سرخیاں بن چکی ہیں، رشتوں کے ٹوٹنے، نکاح اور خلع کے مسائل، اور آپسی خانہ جنگیاں ہر خاص وعام کی زبان زد ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ کسی کو ذرا احساس تک نہیں ہوتا کہ ہماری وجہ سے کسی کو تکلیف تو نہیں ہورہی ہے، کسی کے دل پر کیا گذرے گی، ذرا سوچیں کہ کتنے گھروں کی خوشیاں ناتمام رہیں، کتنی نسلیں تباہ ہوگئیں، کتنوں کی آہ کے ہمارے تعاقب میں ہے، بہت سوچنے کا مقام ہے، فکر کرنے کی ضرورت ہے، اپنے اندر تبدیلی لانا پڑے گا؛ کیوں کہ جب تک تبدیلی نہیں ہوگی تو خوشحال زندگی کی تمنا کرنا سعیٔ لاحاصل ہے، خلاصہ یہ کہ ؎

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثُریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

اسباب ووجوہات

ہماری اس صورت حال کی کئی ایک وجوہات ہوسکتی ہیں؛ مثلاً معاشرتی حقوق سے ناواقفیت، دین سے دوری، علماء کرام سے بےتعلقی، گھروں میں تعلیمی ماحول کا فقدان، دین سیکھنے کی عدمِ دلچسپی، موبائل فون کا حد درجہ استعمال، اہلِ خانہ کے لئے وقت فارغ نہ کرنا، عورتوں کی صرف کمیوں پر نظر کرنا اور گرفت کرنا، ایک دوسرے پر شک کرنا اور تجسس میں لگنا۔۔۔ وغیرہ

یہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

زندگی کتنی احتیاط سے گذارنا چاہیے اور اپنے ضرر سے لوگوں کو محفوظ رکھنا کتنا ضروری ہے اس کے لئے باریک بینی اور دور اندیشی کا ایک سبق آموز واقعہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کو مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا: ”حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب صاحبِ فراش ہوگئے، پورا رمضان بیماریوں کے عالم میں گزرا، رمضان کے آخر عشرے میں ایک روز فرمانے لگے، میرا حال بھی عجیب ہے کہ لوگ رمضان میں مرنے کی تمنا کرتے ہیں، اور اس مقدس مہینے کی برکتوں کے پیش نظر خواہش مجھے بھی یہ ہوئی کہ موت تو آنی ہی ہے اسی مقدس مہینے میں آجائے؛ لیکن میں کیا کروں اس کے لئے دعا میری زبان پر نہیں

آسکی، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی میں یہ دعا کرنا چاہتا ذہن میں خیال آتا کہ اگر رمضان کے مہینے میں میری موت کا واقعہ پیش آیا تو میرے عزیزوں اور دوستوں کو بہت تکلیف ہوگی، صدمے کے علاوہ روزے کے عالم میں تجہیز وتکفین اور تدفین کے انتظام میں معمول سے کہیں زیادہ مشقت بڑھ جائے گی، اوراس بات پر دل آمادہ نہیں ہوتا کہ اپنی خواہش کے خاطر اپنے چاہنے والوں کوتکلیف میں نہ ڈالا جائے" یہ کہہ کرانہوں نے شعر پڑھا

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
یہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

(ذکروفکر:۲۳)

لائحہ عمل اورعلاج:

اپنے معاشرے میں تبدیلی لانے اورزندگیوں میں بدلاؤ کے لئے چند تدابیر کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، جوسطورِ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

(۱) اولاً نکاح کورسس قائم کریں: جن میں نکاح کے مقاصد، اوربعدِ نکاح زندگی کیسے گذاریں اس سے آگاہ کیا جائے، شوہر کے کیا حقوق ہیں، ساس سسُر کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے، بچوں کی تربیت کی ترتیب کیا ہو، اورگھر کا نظام اور مینٹینینس کیسے چلایا جائے، اس کی تعلیم دی جائے۔

(۲) گھروں میں تعلیم کا نظام بنائیں، اس لئے کہ جب تک گھر کی تعلیم نہ ہوتونسلوں کے ایمان کی کوئی گیارنٹی نہیں دی سکتی، اوراخلاق کی درستگی مشکل ہوگی، اس لئے گھریلو تعلیم کا اہتمام کریں۔

(۳) علماء کرام سے تعلق اور رابطہ رکھیں، اس لیے کہ علماء کرام سے رابطے کے بغیر مسائل سے صحیح واقفیت، اوردینی تعلیم سے آگاہی مشکل ہے، اس لئے علماء کرام سے تعلق رکھیں۔

(۴) مکاتبِ نسواں کا اہتمام کیا جائے، اوراس میں پابندی سے شرکت کی جائے۔

(۵) اورمحلہ واری سطح پر ہفتہ واری یا ماہانہ اجتماع کیا جائے، جس میں کسی عالمِ دین یا عالمہ کا بیان ہو، اور اس میں معاشرتی مسائل کوکھول کھول کر بیان کیا جائے۔

(۶) اپنے گھر کا کسی کو بڑا اورذمہ دار بنائیں، جن کے مشورہ اور ہدایات پر گھر کا نظام چلے، اورآپسی تمام مسائل اوررنجشوں کا حل انہی سے لے۔

(۷) موبائل فون کے حد درجہ استعمال سے احتراز ہو، گھر میں موبائل صرف بقدرِ ضرورت ہی استعمال کریں اورگھر والوں کو وقت دیں، صرف نفسانی خواہشات کی تکمیل اورنفقہ فراہمی کافی نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کے ساتھ بیٹھ کران جذبات واحساسات کوسمجھیں۔

(بقیہ صفحہ: ۴۴ پر)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی ندیم الدین قاسمی*

امام ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر ظہر کی نماز پڑھا سکتا ہے؟

سوال: امام صاحب ظہر کی چار رکعت سنت پڑھے بغیر فرض نماز پڑھا دیتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ کڑھن محسوس کرتے ہیں، تو کیا امام صاحب کا سنت پڑھے بغیر فرض نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: امام صاحب سنت پڑھے بغیر فرض نماز پڑھا سکتے ہیں، نماز مکروہ نہیں ہوگی، فرض کے بعد دو رکعت سنت پڑھ کر فوت شدہ سنتیں پڑھ لی جائیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ۱۲۸/۴)

کسی عالم یا بزرگ کو صف میں جگہ دینا

سوال: جماعت کھڑی ہوگئی، ایک شخص پہلی صف میں ہے، ایک صاحب تشریف لائے، عالم کو دیکھ کر اس شخص نے ان کو پہلی صف میں اپنی جگہ کھڑا کر دیا، اور خود دوسری صف میں کھڑا ہوگیا تو اس طرح کرنا درست ہے؟ حالاں کہ پہلی صف کی تو بہت فضیلت آئی ہے۔

جواب: اہلِ علم کی تعظیم کے خاطر خود پیچھے ہٹ کر ان کو پہلی صف میں جگہ دینا بلا کراہت درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ اس کا یہ فعل مناسب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ۱۴۶/۴)

شبِ براءت میں حلوہ بنانا

سوال: عام طور پر شبِ براءت پر جو حلوہ بناتے ہیں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اگر کوئی حلوہ بھیج دے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟ نیز شبِ براءت پر کیا کرنا چاہئے؟

جواب: شبِ براءت کے موقعہ پر حلوہ بنانا یہ محض بدعت ہے جس سے بچنا لازم ہے، اگر کسی کے یہاں سے آجائے تو حتی الامکان اس کو نہ لیں اور اگر رکھ لیں تو جائز ہے، جس طرح ہر مہینہ کے ایامِ بیض: ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کو روزہ رکھنا مستحب ہے، اسی طرح پندرہویں شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہے، اور احادیث میں پندرہویں شعبان کی بہت فضیلت آئی ہے؛ اس لئے رات میں زیادہ سے زیادہ عبادت میں مشغول ہوجائیں۔

(فتاویٰ قاسمیہ ۵۰۸/۲)

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا